مشمولات

نیا اسلامی سال اور ہماری ذمے داریاں

از: امیر سنی دعوت اسلامی مولانا محمد شاکر نوری

جس وقت یہ شمارہ آپ کے ہاتھوں میں پہنچے گا نیا اسلامی سال اپنی تمام تر جلوہ سامانیوں کے ساتھ شروع ہو چکا ہوگا۔ ہر نیا اسلامی سال اپنے دامن میں خوشیوں کی سوغات لیے جلوہ نما ہوتا ہے یا پھر غم و اندوہ اور حزن و ملال کے بدنما نقوش سے داغ دار نظر آتا ہے۔ ہمیں اپنے ماضی، حال اور مستقبل کو سالِ نو کے بدلتے حالات کے لحاظ سے دیکھنا ہے اور اسے خوش نما بنانے کی جدوجہد کرنا ہے۔

گزشتہ سال ہم نے کیا کھویا اور آئندہ سال کے لیے ہم نے کیا منصوبہ بنایا۔ اس پر بہت سنجیدگی سے غور کرنے کی ضرورت ہے۔ ہماری قوم بس جی رہی ہے نہ اس کے پاس کوئی مقصد ہے اور نہ کوئی منصوبہ۔ وہ سفر تو کر رہی ہے مگر اسے اپنی منزل کا پتہ معلوم ہی نہیں ہے۔ آخر یہ کب تک چلتا رہے گا۔ جس قوم کا کوئی نصب العین نہ ہو، مقصدِ زیست نہ ہو وہ قوم کامیابی و کامرانی کیوں کر حاصل کر سکتی ہے۔ یاد رکھیں! ہمارا ہدف قرآن مقدس اور صاحب قرآن صلی اللہ علیہ وسلم نے متعین کر دیا ہے بس اس طرف چل پڑنے اور سنجیدگی سے جدوجہد کی ضرورت ہے۔ آج ہر طرف سے ہمارا فرض ہمیں پکار رہا ہے کہ خوابِ غفلت کی چادر اتار پھینکو، اقامت دین کے لیے کمربستہ ہو جاؤ، علم کی شمع روشن کرو، دعوت و تبلیغ کے لیے قریہ قریہ نکل پڑو اور اپنے وجود کو اسلام کی دلیل بناؤ ورنہ فرائض سے عدم توجہی تمہیں ذلت و رسوائی کے عمیق غار میں گرا دے گی اور ''تمہاری داستاں نہ ہوگی داستانوں میں''۔

اگر ہم دعوتی اور تبلیغی حیثیت سے دیکھیں تو ہمارے اسلامی سال کی ایک حیثیت اور بھی ہے۔ یہ اسلامی سال محرم الحرام کے مہینے سے شروع ہوتا ہے اور یہ مقدس مہینہ قربانیوں سے عبارت ہے۔ اس مہینے میں سانحۂ کربلا پیش آیا تھا ہمارے امام و مقتدیٰ حضرت امام حسین نے جس طرح اپنے خون کا نذرانہ پیش کر کے قیامت تک کے لیے اسلام کو یزیدی یلغار سے محفوظ فرما دیا اور دنیا کو دعوت فکر و عمل دے دی کہ اگر اسلام کے لیے جان بھی قربان کرنا پڑے تب بھی دریغ نہ کرو۔ امام حسین سے ہماری محبت کا حق تبھی ادا ہوگا جب اسلام کی اشاعت اور تحفظ کے لیے ہم بھی حسینی کردار اپنائیں اور آج جو چاروں طرف سے اسلام پر حملے ہو رہے ہیں اس کے خلاف میدان عمل میں اتریں۔

ہم سب کوشش کریں کہ اسلامی سال کو فقط بولنے تک ہی محدود نہ رکھیں بلکہ اس کے تقاضوں پر لبیک کہہ کر صحیح معنوں میں اسے اسلامی سال بنائیں اور امام حسین کے فرمودات کی روشنی میں اپنا نشان منزل متعین کریں۔ ان شاء اللہ ان پر عمل کی وجہ سے، میرے کریم کے کرم، اس کے پیارے محبوب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور سیدنا امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے صدقہ و طفیل یقیناً ہمیں بے پناہ برکتیں حاصل ہوں گی۔

☆ نمازِ پنج گانہ کی پابندی کریں اس میں کسی قسم کی کوتاہی نہ ہو کہ سید الشہداء امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے وقتِ آخر بھی سجدہ ترک نہ کیا۔ ☆ تلاوتِ قرآن کے لیے وقت مقرر کیا جائے اور بلا ناغہ ترجمہ و تفسیر کے ساتھ قرآن پڑھا جائے۔ ☆ حسب صلاحیت اسلام کا پیغام عام کرنے کی کوشش کریں۔ ☆ اپنا بہتر کردار و عمل لوگوں کے سامنے پیش کریں کہ دراصل تبلیغ اسلام کا اس سے بہتر اور کوئی ذریعہ نہیں۔ ☆ اچھوں کی صحبت اختیار کریں ☆ اپنے اچھے کردار و عمل سے ہر وقت قوم و ملت کو فائدہ پہنچانے کی جدوجہد کریں۔ ☆ اپنا کام خود کرنے کی کوشش کریں اور ہرگز دوسروں پر بوجھ نہ بنیں۔ غیروں کا ہاتھ بٹائیں اور اپنے بھائیوں کی نصرت و اعانت میں کوتاہی نہ کریں۔ ☆ بچوں کی تعلیم و تربیت پر خاص دھیان دیں، انہیں عصری تعلیم کے ساتھ ساتھ دینی تعلیم سے ضرور آراستہ کریں، گھر کا ماحول اسلامی بنائیں۔ بچوں کی مناسب رہنمائی کے لیے خوب خوب وقت نکالیں اور انہیں ہر کام میں وقت کا پابند بنائیں۔ تحریک سُنّی دعوتِ اسلامی کے اجتماعات میں مع احباب پابندی سے پہنچنے کی کوشش کریں کہ ذکر الٰہی سے دلوں کا زنگ دور ہوتا ہے۔ ☆ نوری قافلوں میں نکل کر حصول علم اور فروغ علم کے لیے بھی جدوجہد کریں۔

﴿......﴾

اداریہ

دل کے ٹکڑے نذر حاضر لائے ہیں

ماہ نامہ سنی دعوت اسلامی ممبئی کی کامیاب اشاعت کے ایک سال مکمل ہونے پر ایک چشم کشا تحریر

توفیق احسنؔ برکاتی کے قلم سے

صحافت کو ابلاغیات کا بنیادی شعبہ تسلیم کیا گیا ہے جو حد درجہ دیانت، صداقت اور تقدس کا متقاضی ہے اور جس کے لیے بے پناہ محنت و کاوش اور تازہ کاری درکار ہے، صحافتی سفر بڑی دشوار اور پر پیچ شاہراہوں سے گزر کر منزل آشنا ہوتا ہے اور استقلال و پامردی، صبر وضبط، دور بینی و دانش وری طلب کرتا ہے، صحافتی شعبے سے منسلک حضرات ہماری اس وضاحت کے چشم دید گواہ ہو سکتے ہیں، قوموں کے عروج وزوال کی ہزار سالہ تاریخ کا مطالعہ بتاتا ہے کہ انہوں نے اپنے افکار، خیالات، احساسات، جذبات اور تہذیب وتمدن کی اشاعت وفروغ کے لیے اس اہم اور قابل قدر شعبے کا بھرپور استعمال کیا، ماہرین تیار کیے، ان کے لیے حکومتوں نے دولت وثروت کا دہانہ کھول دیا، الگ سے ان کے لیے وظائف مقرر کیے گئے اور انہوں نے پوری دل جمعی اور ہوشیاری کے ساتھ اپنی اپنی ذمہ داریاں نبھائیں اور اپنا مقصد حاصل کر لیا، ایک صحافی قوم کی نبض ٹٹول کر ان کے دل ودماغ میں اپنی فکریں منتقل کر سکتا ہے، میدانِ سیاست ہو یا شعبۂ اقتصادیات، فروغ تعلیم ہو یا مذہبی افکار، ہر جگہ ہر مقام پر صحافت نے اپنی کامیابی کے جھنڈے گاڑے اور عروج وارتقا کا مقام حاصل کیا حتیٰ کہ سرمایہ کاری اور صارفیت جیسے شعبوں کو بھی صحافت نے مالا مال کیا، بہر حال صحافت ایک زمینی حقیقت کا نام ہے اگر چہ اس کے استعمال کے طریقے جدا جدا ہیں اور مثبت ومنفی دونوں پہلوؤں نے دور رس نتائج بخشے ہیں، اس سے سچائی کو بھی فروغ ملا اور جھوٹ نے بھی کافی چہل پہل پیدا کی۔ اگر چہ منفی اور ضرر رساں پہلو صحافتی اصول کی خلاف ورزی کے مترادف ہے لیکن باوجود اس کا اپنا کردار نبھایا ہے یہی وجہ ہے کہ بے بنیاد پروپیگنڈوں کو بین الاقوامی سطح پر لمبے زمانے تک فروغ پانے اور باقی رہنے کا موقع مل سکا ہے ''اسلامی دہشت گردی'' کی غلط تعبیر وتشریح اس کی واضح مثال کہی جا سکتی ہے، جو قطعاً غلط ہے۔

صحافت نے اپنے دونوں بنیادی میدانوں (پرنٹ میڈیا اور الیکٹرانک میڈیا) میں بے پناہ ترقیاں کی ہیں اور دنیا میں افکار کا تبادلہ ہوا، نئے نئے تجربات سے دنیا آشنا ہوئی، حقائق دریافت کیے گئے، دروغ گوئی کا سینہ چاک کیا گیا، اس وقت پوری دنیا میں یہودی قوم کیوں اپنے مذہب، تہذیب، افکار، کلچر، سرمایہ کاری کو لے کر کافی خوش حال اور متمدن وترقی یافتہ مانی جاتی ہے اس کی واحد وجہ یہ ہے کہ ''دنیا کے تمام چودہ بڑے میڈیا ادارے یہودیوں کی ملکیت ہیں اس لیے یہ لوگ اپنی مرضی کے مطابق اپنے تشکیل دیے ہوئے نقوش اذہان پہ بڑی آسانی سے مرتب کر رہے ہیں، اس منظّم مشنری کی بنیاد پر ہی یہود ہر لفظ اور اصطلاح کو اپنی منشا کے مطابق نئے معنی پہناتے ہیں، میڈیا کی طاقت سے مقدس اور پاکیزہ اقدار اور اصول کو غلاظت کے ڈھیروں کی طرح مسترد کیا جا رہا ہے جب کہ غلاظت کے ہر ڈھیر کو پوتر اور مقدس بنایا جا رہا ہے کہ دنیا کی بہتر اور پاکیزہ سوچ حیران وپریشان ہے، اسی میڈیا کی قوت سے قوم یہود امریکیوں کے سر چڑھ کر بول رہی ہے''۔

صحافت کی طرح ادب بھی علم کا ایک اہم شعبہ ہے اور نثری وشعری نگارشات فروغ علم، اشاعت ثقافت اور ابلاغ افکار دینی کا سبب بنتی ہیں۔ ادب متفرع الاقسام مانا جاتا ہے، ادب برائے ادب، ادب برائے زندگی، ادب کی معروف قسمیں ہیں اور ثانی الذکر کا تعلق مذہبی امور اور اصلاحِ مفاسد سے مضبوط ہے، مذہبی صحافت بھی بہت ساری حدود وشرائط کی پابند ہے۔

صحافت وادب دونوں میدانوں میں تعصب وتنگ نظری اور بد دیانتی کو کسی بھی جہت سے درست نہیں مانا جاتا اور بد دیانتی سے مملو صحافت وادب تاریخ صحافت وادب میں ایک طرح کی دہشت گردی اور گردن زدنی قرار دیے گئے ہیں۔

اس ضمن میں ممتاز محقق وناقد ڈاکٹر وزیر آغا کی یہ تحریر پیش کرنا غیر مناسب نہ ہوگا:

''پچھلے دنوں ایک نجی محفل میں ایک بزرگ نقاد نے کسی تازہ کتاب پر تبصرہ کرتے ہوئے فرمایا تھا: میرے لیے اس کتاب کا پسند کرنا ناممکن ہے

اس لیے کہ یہ تو میرے عقائد ہی کے خلاف ہے اور میں سوچنے لگا کہ ادب کی پرکھ کے سلسلے میں اگر عقیدہ کسوٹی مان لیا جائے تو اس کے کیا نتائج برآمد ہوں گے۔''

مضمون کے اختتام پر ڈاکٹر موصوف نے یوں لکھا کہ:

''اگر نقاد اپنے کسی عقیدے کے تحت ادب کو پرکھنے کی کوشش کرے اور ہر اس ادب پارے کو گردن زدنی قرار دے دے جو اس کے عقیدے کے مطابق نہیں تو پھر ادب کا خدا ہی حافظ ہے'' (ڈاکٹر وزیر آغا: تنقید و احتساب بحوالہ نثر رضا کے ادبی جواہر پارے ص:٦،از: محمد حسین مشاہد رضوی مالیگاؤں)

ہم نے ابتدائی سطور میں کامیاب صحافت و ادب کے لیے دیانت داری اور صداقت شعاری، حق گوئی و بے باکی کو شرطِ اولین قرار دیا ہے اور اس کے برخلاف دونوں ہی شعبوں کے مردمیدانوں کو صحافتی و ادبی دہشت گردلکھ دینے میں ہمیں کوئی باک نہیں ہے۔ صحافت و ادب یکجا بھی ہوتے ہیں اور علاحدہ علاحدہ بھی لیکن کامیاب صحافت وہی ہے جو ادب سے ہم آہنگ ہو، یہی حال مذہبی صحافت کا بھی ہے کہ اس میں جہاں تقدس و پاکیزگی، امانت وصداقت شعاری لازمی عنصر ہوتے ہیں وہیں ادبی ولسانی حسن بھی درکار ہوتا ہے تب جا کر وہ اچھے نتائج کا دیباچہ بنتا ہے اور اس کا خاطر خواہ فائدہ سامنے آتا ہے۔

اخبارات اور رسائل وجرائد کا تعلق پرنٹ میڈیا سے ہے اور صحافت کا یہ شعبہ بڑا مستند اور مؤقر مانا جاتا ہے کیوں کہ اس کی حیثیت دستاویز کی ہوتی ہے، ہندوستانی صحافت کی اپنی الگ ایک تاریخ ہے اور اس موضوع پر تحقیقی مقالات اور کتب ورسائل بھی ملک کی موقر لائبریریوں کی زینت ہیں۔

اس مقام پر ٹھہر کر پہلے ڈاکٹر غلام جابر شمس مصباحی ممبئی کی راقم کی کتاب ''فکر رضا کے جلوے'' پر تحریر کردہ تقدیم کا یہ اقتباس پڑھ لیں جس سے صحافت کی مختلف پالیسیاں سمجھ میں آتی ہیں:

''ایک زمانہ تھا کلکتہ سے ''الہلال، البلاغ'' نکلتا تھا، گورکھ پور سے ''مشرق'' نکلتا تھا، لکھنؤ سے ''سیاست'' چھپتا تھا، دہلی سے ''صدق جدید'' اور ''کامریڈ'' شائع ہوتا تھا، لاہور سے ''زمین دار'' جاری ہوتا تھا، امرتسر سے ''ترجمان اہل حدیث'' نکلتا تھا مگر ان جرائد میں فکر رضا کو جگہ نہیں ملتی تھی کیوں کہ فکر رضا کی جو پالیسی تھی وہ خالص اسلامی تھی جو ان جرائد کی صحافتی پالیسی سے لگا نہیں کھاتی تھی، فکر رضا کی ساری جلوہ نمائی ہوتی تھی ''دبدبہ سکندری'' رام پور میں ''الفقیہ'' امرتسر میں۔ بعد میں خود امام احمد رضا نے ایک جریدہ ایشو کیا ماہ نامہ ''الرضا'' بریلی، اس سے پہلے ''تحفۂ حنفیہ'' فکر رضا کا زبردست آرگن تھا، الرضا بعد میں ''یادگارِ رضا'' کے نام سے شائع ہونے لگا، وہی یادگارِ رضا آج کل ماہ نامہ ''اعلیٰ حضرت'' کی شکل میں چھپتا ہے، بریلی ہی سے ایک دوسرا شہر یہ جاری ہوا جو ''سنی دنیا'' کے نام سے معروف ہے۔ اور آج عالم یہ ہے کہ کوئی پچاس رسالے اور جریدے ہندو پاک کے علاوہ اور ممالک سے فکر رضا کی ترجمانی کررہے ہیں۔'' (فکر رضا کے جلوے، تقدیم ص:١٨)

ہم نے ابتدا میں صحافت اور مذہبی صحافت پر گفتگو کی ہے اس سلسلے میں چند سنی رسائل وجرائد کے اسما جو اس وقت ہمارے ذہن میں آرہے ہیں پیش کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے۔ روز افزوں (بریلی شریف) الفقیہ (امرتسر) عین فقہ (امرتسر) تحفۂ حنفیہ (پٹنہ) دبدبہ سکندری (رام پور) معارف نعمانیہ (لاہور) پاسبان (الہ آباد) ہفت روزہ تاج دار (الہ آباد) ماہ نامہ اہل سنت (سنبھل)، ماہ نامہ السواد الاعظم (مرادآباد)، ماہ نامہ قاری (دہلی) استقامت (کان پور) المیزان (ممبئی) ماہ نامہ مظہر الحق (بدایوں) ماہ نامہ سنی آواز (ناگپور) جام کوثر اور جام نور (کلکتہ) حجاز جدید (دلی) ماہ نامہ اشرفی (کچھوچھہ شریف) الکوثر (سیتامڑھی)، سہ ماہی افکار رضا (ممبئی)۔ یہ رسائل جب تک جاری رہے مذہبی صحافت ترقی پذیر رہی۔

اور درج ذیل سنی رسائل اس وقت بھی اپنی کامیاب اشاعت میں مسلسل سرگرم عمل ہیں: سال نامہ اہل سنت کی آواز (مارہرہ شریف) یادگار رضا (مالیگاؤں) ماہ نامہ اعلیٰ حضرت (بریلی شریف) ماہ نامہ سنی دنیا (بریلی شریف) ماہ نامہ اشرفیہ مبارک پور (اعظم گڑھ) ماہ نامہ کنز الایمان (دہلی) ماہ نامہ جام نور (دہلی) ماہ نامہ ماہ نور (دہلی) ماہ نامہ پیام حرم (جمد اشاہی بستی) ماہ نامہ الجامعہ (روناہی) ماہ نامہ پیام نظامی (سنت کبیر نگر) سہ ماہی امجدیہ (گھوسی) سہ ماہی تبلیغ سیرت (کولکاتا) سہ ماہی رضا بک ریویو (پٹنہ) سہ ماہی جہان نعت (کرناٹک) سال نامہ تجلیات رضا (بریلی) سال نامہ پیغام رضا (ممبئی) سال نامہ الاحسان (الہ آباد) ماہ نامہ المصباح (کشمیر) ماہ نامہ ماہ طیبہ ہندی (راجستھان) ماہ نامہ برکات خواجہ گجراتی (گجرات) ماہ نامہ پیغام رسول (اندور) دوماہی مسلک (ممبئی) پیغام شافعی (مہاراشٹر) مسلم خاتون (ممبئی) وغیرہ۔

اور پاکستان سے ماہ نامہ اہل سنت (گجرات) ترجمان اہل سنت (کراچی) نور الحدیث (نصیر پور) جہان رضا (لاہور) ضیائے حرم (لاہور) ماہ

نامہ وسال نامہ معارف رضا (کراچی) نعت رنگ (کراچی) رضائے مصطفیٰ (گوجرانوالہ) الحقیقۃ (بکی شریف) وغیرہ۔
امریکا سے ڈاکٹر غلام زرقانی سہ ماہی آیات نکال رہے ہیں، یہ بڑی خوش آیند بات ہے جس کی پذیرائی ہونی چاہیے۔ ہفت روزہ کی شکل میں مسلم ٹائمز (ممبئی) بہار سنت (مالیگاؤں) انوار (مالیگاؤں) کا نام لیا جاسکتا ہے۔
دعوت وتبلیغ کی بین الاقوامی تنظیم ''سنی دعوت اسلامی'' نے آج سے سات برس قبل ''سہ ماہی سنی دعوت اسلامی'' ممبئی کے نام سے ایک جریدہ ایشو کیا تھا جس نے مسلسل چھ سالوں تک سہ ماہی کی شکل میں اپنے قارئین کا ایک وسیع حلقہ تیار کرلیا ہے ۲۰۰۵ء تک اس کے کل ۲۴ شمارے شائع ہوئے، مدیر محترم مفتی محمد زبیر برکاتی مصباحی اور نائب مدیر مولانا مظہر حسین علیمی صاحبان کی حد درجہ کاوشوں نے اسے سنجیدہ علمی حلقوں میں کافی سراہنا دی اور عوامی سطح پر بھی اس نے اچھی مقبولیت حاصل کی۔ ۲۰۱۱ء جنوری سے یہ جریدہ راقم الحروف کی ادارت میں ماہ بہ ماہ پابندی سے شائع ہورہا ہے، مولانا مظہر حسین علیمی اور مولانا صادق رضا مصباحی، مولانا نجیب اللہ نوری اور مولانا محمد ارشاد شیخ نجمی صاحبان کی رفاقت ومحنت نے اس کے حسن اور تنوع میں چار چاند لگادیے ہیں۔
ماہ نامہ سنی دعوت اسلامی، ممبئی ایک سنجیدہ مذہبی ودعوتی مجلّہ ہے اور افکار امام احمد رضا کی کامیاب ترجمانی کرتا ہے، جو عقائد اسلامی کا زبردست محافظ اور تحفظ ناموس رسالت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا بنیادی علم بردار ہے، فروغ مذہب حق سے سرمو انحراف اس کے بنیادی منشور کے لیے زہر قاتل ہے، عوام الناس کی اصلاح، بدعات وخرافات کا قلع قمع، غیر مذہبی افکار کی روک تھام، عقائد مشرکانہ وخیالات باطلہ کی تردید اور سچے اسلامی نظریات کی تبلیغ وتنفیذ اس کے مقاصد میں شامل ہے، امت مسلمہ کو حق اور باطل کی صحیح شناخت دینا اور دونوں کے مابین خط امتیاز کھینچنا ہم سب کی مذہبی اور صحافتی ذمہ داری ہے، اس کے لیے لفظ ''متانت ودیانت'' کی معنوی حیثیت جان کر یہ سطریں تحریر کرنے کی جسارت کی جاری ہی ہے۔
سنی دعوت اسلامی ممبئی دعوت وتبلیغ مذہب کی ایک بین الاقوامی تحریک ہے جس کا دائرہ کار کئی ملکوں تک وسیع ہے۔ اشاعتی میدان میں بھی اس نے اپنی زریں خدمات کے نقوش ثبت کیے ہیں اور تحقیق وتصنیف کے ذریعہ سرگرم عمل ہے۔ ماہ نامہ سنی دعوت اسلامی مذہبی صحافت میں ایک سنگ میل کہا جاسکتا ہے اور کسی بھی قیمت پر اپنے مذہبی تصلب اور مسلکی شناخت کے حوالے کوئی سمجھوتہ نہیں کرسکتا، یہ آج بھی فکر رضا کا زبردست آرگن ہے اور رہے گا جس میں فکر رضا سے متصادم کوئی تحریر شائع نہیں کی جاتی، یہ ایک زمینی سچائی ہے جسے بلا چوں وچرا تسلیم کرلینا چاہیے۔ جس وقت ماہ نامہ سنی دعوت اسلامی شمارہ جنوری ۲۰۱۱ء کی تیاری چل رہی تھی اس وقت اس جریدے کے متنوع کالمز بھی منتخب کرلیے گئے تھے اور انہیں کی روشنی میں یہ رسالہ اپنی یہ بارہویں اشاعت قارئین کرام کے روبرو پیش کررہا ہے، ذرا آپ بھی ان کالموں پر ایک نظر ڈال لیں: (۱) پیغام (۲) اداریہ (۳) نور مبین (۴) انوار سیرت (۵) استفسارات (۶) تذکیر وتذکیہ (۷) دعوت دین (۸) داعیان اسلام (۹) رضویات (۱۰) روزن (۱۱) دعوت عام (۱۲) عظیم مائیں (۱۳) بزم اطفال (۱۴) سخن فہمی (۱۵) پیش رفت (۱۶) دعوت نامے (۱۷) منظومات (۱۸) انعامی مقابلہ۔
بانی جریدہ مولانا محمد شاکر نوری رضوی کے ذمہ ادارہ نے پیغام کا کالم مخصوص کیا تھا، آپ اپنی بے پناہ مصروفیات سے وقت نکال کر پیغام تحریر کرتے رہے ہیں جس کے لیے ہم ان کی جناب میں ہدیۂ تبریک پیش کرتے ہیں ان کے علاوہ اپنے تمام قلم کاروں کا شکریہ ادا کرتے ہیں جنہوں نے بر وقت اپنی اپنی نگارشات بھیج کر ہمارا علمی وقلمی تعاون فرمایا۔ اللہ عزوجل ان کے علم وتحقیق میں پختگی اور قلم وزبان میں توانائی عطا فرمائے۔ آمین۔
ادارے میں وقتاً فوقتاً چھوٹی بڑی کتابیں اور رسائل وجرائد مصنفین، مدیران ارسال کرتے رہے ہیں سخن فہمی کے کالم میں ہم نے ان پر مختصر اور طویل تبصرے بھی شائع کیے ہیں۔ جس کے لیے مولانا محمد صادق رضا مصباحی نے پورا پورا تعاون دیا ہے اور تنقیدی، تجزیاتی اور تعارفی تبصرے لکھے ہیں۔ رسالے کی ترتیب وتزئین میں بھی وہ امداد باہمی کا فریضہ انجام دیتے ہیں۔ اللہ عزوجل انہیں نظر بد سے محفوظ رکھے آمین۔ معاون مدیر مولانا مظہر حسین علیمی اپنی تدریسی ذمہ داریوں کے ساتھ ساتھ قلمی واشاعتی تعاون میں بے پناہ کوشش کرتے ہیں اور اپنی ذمہ داریوں کے حوالے سے کافی سنجیدہ ہیں۔ پابندی کے ساتھ رسالے کی کمپوزنگ کی ذمہ داری مولانا ارشاد نجمی نبھا رہے ہیں اور رسالے کی پوسٹنگ میں مولانا نجیب اللہ نوری اپنی صلاحیتوں اور ہوش مندی کا مظاہرہ کرتے ہیں۔ اللہ عزوجل ان سب کی انفرادی واجتماعی کاوشوں کو قبول فرمائے۔ ان کے علاوہ ہم اپنے ان مشفق اساتذہ، علما ومحققین وارباب قلم کا ضرور شکریہ ادا کریں گے جو ہمیں اپنے قیمتی مشوروں سے نوازتے رہتے ہیں اور ہماری حوصلہ افزائی کرتے ہیں بالخصوص محقق مسائل جدیدہ

مفتی محمد نظام الدین رضوی، مفکر اسلام علامہ قمر الزماں اعظمی، علامہ یٰسین اختر مصباحی، مولانا محمد عبد المبین نعمانی، مولانا فروغ احمد اعظمی مصباحی وغیرہم۔ اللہ عزوجل ان حضرات کی عمر وعمل میں برکتیں عطا فرمائے۔آمین۔

قارئین کرام! ماہ نامہ سنی دعوت اسلامی اپنا بارہواں شمارہ آپ کی خدمت میں پیش کرتا ہے، گزشتہ ایک سال میں جب ہم عالمی سطح پر نظر دوڑاتے ہیں تو مذہبی، سیاسی، تمدنی، اقتصادی انقلابات کا ایک سلسلہ دکھائی دیتا ہے، سیدالشہداء امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور میدان کربلا میں ان کے تمام اہل خاندان اور جاں نثاروں کی تمام تر جہادی کاروائیوں کو اقتدار کی جنگ اور یزید پلید کو رضی اللہ عنہ کہنے والے مگر مچھ کے آنسو بہاتے نظر آتے ہیں اور تاریخ کے سفید چہرے پر کالک پوتتے ہوئے اپنی بے بنیاد دانش وری کا برملا اظہار کرتے ہیں، افکار امام احمد رضا قادری پر کیچڑ اچھالنے اور ان کی استدلال کردہ احادیث کو موضوع کے کھاتے میں ڈالنے والے دوسروں کے کاندھے پر بندوق رکھ کر گولی چلانے کی ناپاک کوشش کرتے ہیں اور جب جوابات کا سلسلہ شروع ہوتا ہے تو بھیگی بلی بن کر بیٹھ جاتے ہیں اور شہرت کا کوئی دوسرا ہتھکنڈا ڈھونڈنے لگتے ہیں، سیرت نگاری کے نام پر حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حقیقی اور مستند معجزات کا انکار کرنے والے تاریخی بددیانتی کا ثبوت فراہم کرتے ہیں وہیں اپنے ملک میں آثار صحابہ کی مسماری پر خاموش رہنے والے ہندوستان میں عظمت صحابہ کانفرنس میں شریک ہو کر قوم مسلم کو نیا سبق پڑھاتے نظر آتے ہیں۔ کہیں مشاہدات کے نام پر جماعت اہل سنت اور امام احمد رضا کے ماننے والوں کو مشرک اور بدعتی جیسے القابات سے یاد کرنے والے اپنی گریبان میں جھانکنے کی کوشش نہیں کرتے اور بے بنیاد الزامات پر مشتمل ''گمراہ فرقہ کون، وہابی یا بریلوی؟'' اور ''درگاہیں شرک کے اڈے اور سرچشمے ہیں'' جیسی کتابیں منظر عام پر آتی ہیں۔

مذہبی ومرکزی چودھراہٹ کے زعم میں جھوٹی رویت ہلال کے ذریعہ کروڑوں لوگوں کا روزہ خراب کرنے والے حکومت کی جانب سے کفارہ ادا کرنے کی نمائش کرتے ہیں اور اسی بے بنیاد تحقیق کا سہارا لے کر ہر سال دنیا بھر کے لاکھوں مسلمانوں کا حج برباد کرنے کے لیے غلط تاریخوں کا اعلان کرتے ہیں، پوری دنیا پر اپنے رعب کا سکہ چلانے والے اور بزعم خویش خود کو سپر پاور سمجھنے والے مالی بحران سے دوچار ہیں اور عوام ان کے سرمایہ دارانہ نظام کو بدل دینے کے لیے ہر روز مظاہروں میں شریک ہوتے ہیں، جمہوریت کی علم برداری کا دعویٰ کرنے والے اور حق وانصاف کا غلغلہ بلند کرنے والے مسئلہ فلسطین پر خاموشی اختیار کیے ہوئے ہیں۔ ہندوستانی مسلمانوں کو اسلامی دہشت گردی کا طعنہ دینے والے گرفتار کیے گئے ہندو دہشت گردوں سے جیل میں ملاقات کرتے ہیں، کہیں مختلف گھوٹالوں میں ملوث وزرا ضمانت کی کوشش میں جٹے ہیں۔غرض کہ مذہبی وسیاسی، ملکی وبین الاقوامی اتھل پتھل کی ایک طویل داستان ہے جو سال دو ہزار گیارہ کے دامن سے وابستہ ہے اور ان میں سے کئی مسائل کو ہم نے اپنے رسالے میں اٹھانے کی کوشش کی ہے، ہم اپنے اس مقصد میں کتنا کامیاب ہوئے اس کا جواب ہمارے قارئین کے اوپر ہے۔

ہم نے بہت سے نئے لکھنے والوں کو بھی موقع دیا ہے، ہم بچوں کی نگارشات بھی شائع کر رہے ہیں اور بچوں کا ادب بھی پیش کر رہے ہیں ورنہ رسالوں نے تو ادب اطفال کو از کار رفتہ قرار دے دیا ہے، اب بھی ہم اپنے قارئین کی تجاویز وآرا کا انتظار کرتے ہیں، آپ کے نیک مشورے بہ طیب خاطر قبول کریں گے، اس رسالے کے ذریعہ ہم اپنی ماؤں بہنوں کو بھی خود کو پڑھنے کا وقت دیتے ہیں، عظیم مائیں نامی کالم اسی لیے متعین کیا گیا تاکہ خواتین اسلام صنف نازک کے دینی ومذہبی، علمی وفقہی، سیاسی وسماجی خدمات سے متعارف ہوں اور اللہ عزوجل کی برگزیدہ بندی ہونے کا شرف حاصل کریں۔

انشاء اللہ عزوجل آنے والے نئے سال کا استقبال ہم بالکل نئے انداز سے کریں گے اور علم وتاریخ کی کچھ نئی جہتوں سے قارئین کی ملاقات کروائیں گے، گزشتہ دنوں سنی دعوت اسلامی کا عالمی سالانہ اکیسواں سنی اجتماع ممبئی میں منعقد ہوا اور بہ حسن وخوبی اپنی سابقہ کامرانیوں کی طرح اختتام پذیر ہوا۔ اس شمارے میں ہم اس کی اجمالی رپورٹ پیش کر رہے ہیں اور ہماری کوشش ہے کہ آنے والے شمارے میں اس کی تفصیلات آپ کے خوانِ مطالعہ پر سجا دیں تاکہ تحریری شکل میں وہ ایک دستاویز بن جائے، ہمیں قارئین اپنے تاثرات بھی ارسال کرتے ہیں کوشش کریں کہ مداحی سے اجتناب کرتے ہوئے کچھ علمی پہلوؤں کی نشان دہی ہوتا کہ ہمیں اور دیگر پڑھنے والوں کو اصلاح کا موقع ملے، اخیر میں ہم اپنے قارئین کو پھر دعوت مطالعہ پیش کرتے ہیں جس طرح وہ ہمارا تعاون کر رہے ہیں اور ہمارا حلقہ وسیع ہو رہا ہے اللہ عزوجل مزید وسعت عطا فرمائے۔آمین۔

کامیابی کے دو راستے

غصہ روکنا اور استقامت اختیار کرنا عملی زندگی کی فلاح کے لیے دو لازمی کردار ہیں

از: حسنات احمد مرتضٰی

غصہ

صبر، برداشت، حلم اور عفو و درگزر انسانی کردار کے حسن کو نکھارتے ہیں۔ غصہ، غیظ و غضب اور انتقام کی آگ شخصی وقار کو خاک آلود کرتے ہیں۔ حلم و بردباری حسن اخلاق اور غیظ و غضب سوءِ اخلاق کی علامت سمجھے جاتے ہیں۔ قرآن کریم نے غصے کے جذبات کو ضبط کر کے عفو و درگزر کا درس دیا ہے۔ اس ضمن میں سورۂ آل عمران کی آیت ۱۳۴ کا مطالعہ مفید ہے۔ ارشاد ہے: **الذین ینفقون فی السراء والضراء والکاظمین الغیظ والعافین عن الناس واللہ یحب المحسنین** (ترجمہ) وہ لوگ جو خرچ کرتے ہیں خوشی میں ہوتے ہیں اور تکلیف میں ہوں تو بھی غصہ کو پی جانے والے اور لوگوں سے درگزر کرنے والے ہوتے ہیں اور اللہ احسان کرنے والوں سے محبت کرتا ہے۔

آیتِ مقدسہ میں **کاظمین** کہہ کر غصہ روکنے والوں کا ذکر کیا گیا ہے۔ مشک کا منہ بند کیا جائے تو اس کے لیے عربی میں ’’**کظم**‘‘ کا کلمہ استعمال ہوتا ہے۔ مشک کا منہ اس لیے بند کیا جاتا ہے تاکہ اندر سے کوئی چیز باہر نہ آئے۔ کتابِ رحمت نے کہا کہ متقی کی صفات میں سے ایک صفت تو یہ ہے کہ وہ اپنے اندر کے گرم جذبات، انتقام کے ارادے، بدلے کے جذبات، شیطانی ابھار کے اثرات، برانگیختگی کی کیفیات، ہیجان کی شدت اور آپے سے باہر ہونے کے احساسات پر اس قدر ضبط کا مظاہرہ کرتا ہے جیسے مشک کا منہ بند کر کے اندر کی اشیا کو اندر ہی روک لیا جاتا ہے ان کو باہر نہیں آنے دیا جاتا ہے۔ اسی طرح تقویٰ کی راہوں کو اختیار کرنے والا آتشی کیفیات سے پیدا ہونے والے غیظ و غضب کو باہر آنے سے روک لیتا ہے تاکہ سوئے اخلاق کی بجائے حسنِ اخلاق کا اظہار ہو سکے۔

غصے کو روکنا اور درگزر کرنا متقین اور بندگانِ خدا کی پہچان ہے۔ غصہ اندر کی گرمی کے اظہار کو کہتے ہیں۔ انسان کو جب کوئی صدمہ اور تکلیف پہنچتی ہے جس پر وہ اپنے جذبات کو قابو نہیں رکھ سکتا تو اس کے اندر ایک بے چینی پیدا ہو جاتی ہے۔ اس بے چینی اور بے سکونی سے آتشی کیفیات کو تحریک ملتی ہے۔ یہ تحریک آتشی مخلوق کی حرکت سے ہی متحرک ہوتی ہے اور آتشی مخلوق میں شیطان بھی ہے۔ گویا غصہ، غیظ و غضب، آپے سے باہر ہونا، منہ سے جھاگ اگلنا، بے صبری کا مظاہرہ کرنا، قوتِ برداشت کو پائمال کرنا، حلم کو نظر انداز کرنا، عفو و درگزر کو پسِ پشت ڈال کر غیظ و غضب کا پیکر بن جانا یہ سب شیطان کی جانب سے ہے۔ سننِ ابی داؤد کے مطابق عطیہ بن عروہ کہتے ہیں کہ صاحب حلم و بصیرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: **ان الغضب من الشیطن وان الشیطن خلق من النار وانما تطفی النار بالماء فاذا غضب احدکم فلیتوضا** (ترجمہ) بے شک غصہ شیطان کی طرف سے ہے اور شیطان آگ سے پیدا کیا گیا ہے اور آگ پانی سے بجھائی جاتی ہے۔ جب تم میں سے کسی کو غصہ آئے تو وہ وضو کرے۔

ایک دوسری حدیث میں غصے کو روکنے کے لیے حالت و کیفیت کو بدلنے کا حکم دیا گیا ہے۔ کوئی شخص کھڑا ہو تو بیٹھ جائے، بیٹھا ہے تو لیٹ جائے، لیٹا ہے تو پہلو تبدیل کر لے تاکہ شیطانی اثرات سے محفوظ ہو جائے۔ حدیث میں واضح طور پر اس حقیقت کا اظہار کیا گیا کہ غصہ شیطان کی طرف سے، شیطان کی تخلیق آگ سے، آگ کا علاج پانی سے۔ غصہ آئے تو وضو کرو، وضو طہارت، نفاست، نظافت اور پاکیزگی کی علامت ہے۔ غصہ آئے تو وضو کرو، وضو سے ناپاکی کی حالت کو دور کیا جاتا ہے۔ ہاں ہاں غصے کی حالتِ غیر کو دور کرنے کے لیے وضو کرو۔ رضائے الٰہی کے سوا غصہ بھی ناپاکی اور ناپاکی میں بندگی کی کیفیات کا حصول بھی دشوار فلہٰذا پاکیزگی کے حصول کے لیے وضو کرو۔ بندگی و عبادت رحمان سے قریب اور شیطان سے دور کرتی ہے فلہٰذا قربِ خدا اور بعدِ شیطان کے لیے وضو کرو۔ غصہ شیطانی کیفیت ہے شیطانی کیفیت سے بچنے کے لیے اس کا علاج کرو۔ حالت کی تبدیلی، پانی پینا، خاموش رہنا، تعوذ پڑھنا، حوقلہ کہنا اور وضو کرنا اس کا علاج ہے۔

غصہ انسانی جسم اور کردار پر منفی اثرات مرتب کرتا ہے۔ ہمیشہ

غصے میں رہنے سے انسان کے دل اور اعصاب پر برے اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ امریکی سائنس داں ڈاکٹر ریڈفورڈ بی ولیمز کہتا ہے کہ غصہ کرنے سے انسانی قلب کو اس طرح نقصان پہنچتا ہے جس طرح تمبا کو نوشی اور ہائی بلڈ پریشر سے اور غصہ کرنے والے افراد جلد موت کی وادی میں قدم رکھتے ہیں اور اس میں بھی شک نہیں ہے کہ غصہ کرنے سے اعصابی کھنچاؤ پیدا ہوتا ہے، انسان کی یادداشت متاثر ہوتی ہے، غصے سے چہرے کی رونق، ہونٹوں اور آنکھوں کی چمک ختم ہوتی ہے اور معدے کا نظام بگڑتا ہے گویا غصہ کرنے سے بے شمار نقصانات ہوتے ہیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں اپنے آپ کو غصہ سے بچاؤ اس لیے کہ اس کی ابتدا دیوانگی اور انتہا ندامت اور پشیمانی ہے۔ ندامت، شرمندگی اور پریشانی سے بچنے کے لیے غصے کو روکنا اور اس پر قابو پانا انتہائی ضروری ہے۔ وہ شخص جو غصہ نہیں روک سکتا بسا اوقات اس کو ساری زندگی اس کا خمیازہ بھگتنا پڑتا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ ڈارون نے انسان کی اصل کو بندر سے جا ملایا ہے اس کی یہ تحقیق غصے کا نتیجہ ہے اس لیے کہ ڈارون اتنا شرارتی تھا کہ ایک موقع پر اس نے ایک ایسی گھناؤنی شرارت کی تو کسی نے اسے کہہ دیا بندر کے بچے۔ اس بات پر اس نے اس قدر غصہ اپنایا کہ اس نے انسان کی اصل کو بھی بندر سے تعبیر کر دیا۔ اس نے کہا اگر میں بندر کا بچہ ہوں تو سارے انسانوں کی اصل بندر ہی ہے یہی وجہ ہے کہ بہت سے لوگ ڈارون کو سائنس دان مانتے ہی نہیں اور یہ اس کے غصے کا نتیجہ ہے۔ اگر وہ اپنے غصے پر قابو پا جاتا اور انسانیت کے تقدس کو پائے مال نہ کرتا تو خود بھی اس کی شخصیت کا بھرم رہ جاتا۔

غصہ ایک کمزوری بھی ہے اور ضعف بھی۔ شاید غصے کی بھڑاس نکالنے والا خیال کرتا ہے کہ میں اپنی طاقت اور قوت کا اظہار کر رہا ہوں حالاں کہ حقیقت اس کے برعکس ہے۔ غصہ تو وہ کھاتا ہے جس کے اندر اس کو ضبط اور کنٹرول کی طاقت نہیں اور جب طاقت، قوت، حلم، صبر، برداشت اور حوصلہ کچھ بھی نہیں تو غصہ ایک کمزوری ہے ایک بیماری ہے جس کا علاج کرنے کا حکم بھی ہے اور اس پر قابو پانے والے کو پہلوان بھی کہا گیا ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کوئی شخص کشتی سے پہلوان نہیں ہوتا پہلوان وہ ہوتو ہے جو غصے کے وقت اپنے آپ کو قابو میں رکھتا ہے۔ (بخاری و مسلم)

غصے کو روکنا اور ضبط کرنا طاقت کی علامت ہے۔ وہ شخص جو غصے کو روکنا نہیں جانتا وہ پہلوان نہیں ہے۔ امام غزالی فرماتے ہیں کہ غصے پر قابو پانا مردانگی کی علامت ہے۔ مردانگی طاقت اور قوت کا اظہار ہے۔ غصہ اور غضب پر قابو پانے کا حکم حدیث میں وارد ہوا ہے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہو کر عرض کیا: مجھے نصیحت فرمائیں۔ آپ نے فرمایا: **لا تغضب** غصہ نہ کیا کرو۔ اس نے کئی بار سوال دہرایا آپ نے ہر بار **لا تغضب** فرمایا۔

غصے کو روکنے اور ضبط کرنے کی ہر بار نصیحت فرمانے میں بے شمار حکمتیں ہیں ایک حکمت یہ بھی ہے کہ غصہ کرنے سے توازن برقرار نہیں رہتا اور جب توازن قائم نہ رہے تو نظریات وعقائد ڈگمگانے لگتے ہیں اور ایسی کیفیات ایمان کے ذائقے کو بھی خراب کر دیتی ہیں اس لیے آپ نے فرمایا: **ان الغضب ليفسد الايمان كما يفسد الصبر العسل** (ترجمہ) غصہ ایمان کو ایسے بگاڑتا ہے جیسے ایلوا شہد کو۔ ایلوا کڑوا درخت ہے جس کے رس میں اس قدر کڑواہٹ ہے کہ وہ شہد کی مٹھاس کو بھی خراب کر دیتا ہے۔ آپ نے فرمایا: ایلوا جس طرح شہد کو بگاڑتا ہے اسی طرح غصہ ایمان کو بھی خراب کرتا ہے۔ غصہ ایمان کے ثمر بار ہونے میں اسی طرح رکاوٹ پیدا کرتا ہے جیسے شہد کی لذت ایلوا سے ملاوٹ کا شکار ہو جاتی ہے۔ غصہ ایمان کی لذت کو پھیکا اور کڑوا کر دیتا ہے اس لیے غصے کو روکنا انتہائی ضروری ہے۔ غصہ روکنے والا رضائے الٰہی کو حاصل کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی خوشنودی ایک مسلمان کے لیے انتہائی ضروری ہے۔ مسلمان غصہ پی کر اپنے اللہ کو راضی کرنے کی طرف بڑھتا ہے۔ مشکوٰۃ نے حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت بیان کی ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: **ماتجرع عبد افضل عند الله من جرعة غيظ يكظمها ابتغاء وجه الله تعالىٰ**۔ کسی بندے نے اللہ کے نزدیک اللہ تعالیٰ ہی کی رضا حاصل کرنے کے لیے کوئی گھونٹ غصے کے گھونٹ سے بہتر نہیں پیا۔

غصہ پینا بہتر کام کو اختیار کرتا ہے اچھا اور بہتر کام وہی ہوتا ہے جس سے اللہ تعالیٰ راضی ہو جائے۔ غصے کو روکنے سے بھی اللہ تعالیٰ راضی ہوتا ہے خدا کو راضی کرنے کے لیے غصہ پینا عمدہ، اعلیٰ، افضل اور سکونِ ایمان نصیب عطا کرنے والا ہے۔ ابن جریر اور ابن کثیر کی روایت کردہ حدیث ملاحظہ ہو: **عن ابی هريرة ان النبی صلی الله عليه وسلم قال من كظم غيظا وهو يقدر علی انفاذه**

ملائه الله امنا و ایمانا. (ترجمہ) جس نے بدلہ کی طاقت کے باوجود اپنے غیظ وغضب پر ضبط کا مظاہرہ کیا اللہ تعالیٰ اسے اطمینان اور ایمان کی دولت سے فیض یاب کر دیتا ہے۔ کشاف نے '' قلبہ '' کا اضافہ نقل کر کے اس بات کو واضح کیا ہے کہ ضبط کرنے والا کا دل بھی ایمان اور سکون سے بھر دیا جاتا ہے۔ جب انسان کے دل کو اطمینان، سکون، چین، راحت نصیب ہو جائے تو اس کے لیے ہر طرف خیر ہی خیر ہوتی ہے۔ دنیا میں بھی خیر اور آخرت میں بھی خیر۔ تفسیر کبیر میں ایک حدیث بھی بیان ہوئی ہے جس میں کہا گیا ہے جو شخص انتقام پر قدرت رکھنے کے باوجود اپنے غصے کو روکتا ہے وہ جس حور کو پسند کرے گا اللہ تعالیٰ وہی اس کی زوجیت عطا فرمائے گا۔ اب آیئے دوسرے پہلو پر گفتگو کرتے ہیں۔

استقامت

ایک حدیث شریف میں ہے: **عن سفیان ابن عبد الله الثقفی قال قلت یارسول الله قل لی فی الاسلام قولا لا اسئل عنه احدابعدک وفی حدیث ابی امامة غیرک قال قل آمنتُ باللّٰه ثم استقم**

(ترجمہ) سفیان بن عبداللہ ثقفی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کی یارسول اللہ! صلی اللہ علیہ وسلم اسلام سے متعلق مجھے کوئی ایسا ارشاد فرمایئے کہ پھر میں آپ کے بعد کسی اور سے سوال نہ کروں۔ ابو اسامہ کی حدیث میں غیرک کا لفظ ہے۔ آپ نے فرمایا: کہہ میں اللہ پر ایمان لایا پھر اسی پر جم جا۔ (مسلم شریف کتاب الایمان باب جامع اوصاف الاسلام)۔

اسی مفہوم کی ایک حدیث ابن ماجہ نے اپنی سنن میں نقل کی۔ حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ایمان پر جم جاؤ اور استقامت اختیار کرو لیکن لگتا نہیں کہ تم ایسا کر سکو گے اور اس پر یقین رکھو کہ تمہارے دین میں سب سے اچھی چیز نماز ہے اور وضو محفوظ طریقے سے مومن ہی کر سکتا ہے۔ (ابن ماجہ کتاب الطہارۃ)۔

استقامت کی ابتدائی حالت یہ ہوتی ہے کہ معاملات میں سستی نہیں ہوتی۔ متوسط لوگوں کی استقامت یہ ہوتی ہے کہ وہ اپنی روحانی منزل کی طرف بڑھتے رہتے ہیں اور استقامت کی انتہائی حالت یہ ہوتی ہے کہ اللہ اور بندے کے درمیان حجاب اور پردہ نہیں رہتا۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے نزدیک استقامت کا مطلب شرک سے بچنا ہے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ استقامت یہ ہے کہ انسان اطاعت سے لومڑی کی طرح کھسک نہ جائے۔

حضرت ابن عطا کے نزدیک اللہ کی طرف پوری دل جمعی سے توجہ دینا استقامت ہے۔ حضرت بوعلی جوز جانی فرماتے تھے کہ مرتبے نہ مانگنا استقامت ہے۔ حضرت واسطی طرماتے ہیں استقامت سے مراد وہ خصلتیں اور عادات ہیں جن سے انسانی خوبیوں کی تکمیل ہوتی ہو۔ حضرت شبلی کے نزدیک موجود وقت کو قیامت سمجھنے والا شخص صاحبِ استقامت ہوتا ہے۔

امام قشیری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ استقامت کے تین درجے ہیں: بات چیت میں استقامت یہ ہے کہ غیبت زبان پر نہ آئے، کاموں میں استقامت سے مراد یہ ہے انسان بدعت سے قریب بھی نہ جائے اور عمل میں استقامت سے مراد سستی کا ترک کرنا ہے۔

امام قشیری رحمۃ اللہ علیہ نے استاد ابوعلی دقاق رحمۃ اللہ علیہ کا قول نقل کرتے ہوئے استقامت کے یہ تین درجے نقل کیے ہیں۔

تقویم، اقامت اور استقامت

نفس انسانی کو ادب اور آداب سکھانا تقویم ہے، دل کو غیر کے خیالات سے پاک کرنا اقامت ہے اور نفس کو خدائی رازوں سے واقفیت دلانا استقامت ہے۔

قرآن مجید میں صاحب استقامت آدمی کو اللہ تعالیٰ نے نو انعامات عطا کرنے کا وعدہ کیا ہے۔: ان پر فرشتے نازل ہوتے ہیں، دنیا میں اندیشوں سے محفوظ رکھنا، آخرت میں حزن وملال اور پریشانی سے بچانا، جنت کی بشارت، دنیا میں خدائی مدد کا وعدہ، آخرت میں اللہ رب العالمین کی دوستی، نفس کی ہر خواہش کی تکمیل، ہر دعویٰ کی تکمیل اور غفور رحیم کی مہمان نوازی۔ (حم السجدہ: ۳۰ تا ۳۳)

حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم ارشاد فرماتے ہیں کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا **یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم** مجھے کوئی وصیت فرمایئے: آپ نے فرمایا: کہو میرا رب اللہ ہے پھر اس پر مستقیم رہو۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم نے فرمایا: میرا رب اللہ ہے، اللہ کی مدد ہی سے مجھے توفیق ہے، میں نے اسی پر توکل کیا اور میں اللہ ہی کی طرف رجوع کرتا ہوں۔ آپ نے ارشاد

فرمایا: ابوالحسن! تمہیں یہ علم مبارک ہو (مرقاۃ: ملاعلی قاری)۔

صوفیائے کرام کے نزدیک استقامت ہر کرامت سے افضل ہے۔ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا استقامت پر قائم رہنا سخت مشکل کام ہے۔ اسلاف اور اکابر کے کلام سے جو بات سمجھ آئی ہے وہ یہ ہے کہ استقامت کا پہلا تعلق عقیدے اور ایمان کے ساتھ ہے۔ اسلام میں عقیدے کا نصاب متعین ہے۔ توحید ہے، ایمان رسالت ہے، ایمان کتب الہامیہ ہے، ایمان بما بعد الموت ہے اور حشر ونشر کا ایمان ہے۔ عقیدہ وایمان کی جہتیں متعین ہیں ان میں متزلزل نہ ہونا استقامت ہے۔

عمل کی استقامت عمل پر دوام ہے اور احکام مفروضہ ومسنونہ پر عمل کی انتہائی کوشش ہے۔ رویوں میں استقامت یکسوئی کا دوسرا نام ہے۔ جس عمل میں انفکار کے اندر ارتکاز نہ ہوا اور وہ سنت کے مطابق نہ ہوں مستقیم نہیں ہو سکتے۔

روحانیت میں استقامت تلون مزاجی سے بچنا ہے اور ہر صورت میں حال کا ایک رہنا ہے۔ اخلاق میں استقامت جمالیاتی حصوں کی تشفی اور کیفیات کا صحیح اور درست رہنا ہے۔ رسالۂ قشیریہ میں کتاب کے مؤلف نے حضرت جنید کے حوالے سے ایک دل چسپ روایت نقل کی ہے۔ آپ فرماتے ہیں: میں ایک دن جنگل کی طرف جا نکلا وہاں ایک ببول کے درخت کے نیچے ایک نوجوان سے ملاقات ہوئی میں نے اس سے پوچھا: یہاں کیوں بیٹھے ہو؟ وہ کہنے لگا ایک حالت تھی جو گم ہو گئی ہے۔ چنانچہ میں وہاں سے چل پڑا اور اسے وہیں رہنے دیا۔ جب میں حج کر کے واپس ہوا تو وہ نوجوان اسی جگہ اس درخت کے نیچے بیٹھا پایا۔ میں نے پھر پوچھا: تم ابھی تک اسی جگہ بیٹھے ہو آخر کس لیے؟ اس نے جواب دیا کہ میں جس چیز کی تلاش میں تھا وہ مجھے اس مقام پر مل گئی ہے لہٰذا میں ادھر ہی جم کر بیٹھ گیا ہوں۔

حضرت جنید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں یہ نہ جان سکا اس کی دو حالتوں میں سے کون سی حالت زیادہ اچھی تھی۔ ایک تلاش کی حالت اور دوسرے مقصود کے مل جانے کے بعد ادھر ہی جم جانا۔ وہ لوگ بڑے بلند بخت ہوتے ہیں جو حقیقت تلاش کرتے ہیں پھر فطرت گوہر مقصود ان کی جھولی میں ڈال دیتی ہے۔ وہ لوگ پھر جم جاتے ہیں، ڈٹ جاتے ہیں ثبات اور صبر اقامت اور استقامت ان کی پہچان بن جاتی ہے۔ اللہ ہمیں خوئے استقامت سے نوازے۔

(صفحہ ۳۰ کا بقیہ)

''اعلیٰ حضرت بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کا ہر قول اور ہر فعل عشقِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس طرح لبریز معلوم ہوتا ہے گویا خالقِ کل نے آپ کو احمد مختار صلی اللہ علیہ وسلم کے عاشقوں کے لیے شمعِ ہدایت بنایا ہے تاکہ یہ مشعل اس جادہ پر چلنے والوں کو تکمیل ایمان کی منزل سے ہم کنار کر سکے''۔

حضرت صاحبزادہ محمد طیب، دربار عالیہ قادریہ شتالو شریف سری کوٹ ضلع ہزارہ نے کس عمدگی کے ساتھ کیفیت دل کا اظہار فرمایا ہے:

''اعلیٰ حضرت کا نعتیہ کلام سننے سے ہر صاحب ایمان وجد میں آجاتا ہے۔ مقام غور ہے کہ جس شخص کی زبان پر یہ کلام جاری ہوا اس ہستی کی کیا کیفیت ہوگی۔ لاریب آپ کو فنا فی الرسول کا مقام حاصل تھا''۔

ذکر وفکر محمدی میں شب وروز کے لمحات گزارنے والے اور پاکیزہ قلب ونگاہ رکھنے والے بھی بالاتفاق جسے عاشقِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے خطاب سے نوازیں اس کے عشق کی سرفرازی کا کیا کہنا۔ ع

یہ اس کی دین ہے، جسے پروردگار دے

آخر میں کچھ جدید علما ومفکرین اور دانش وروں کی رائے بھی پیش خدمت ہے۔

ابوالکلام آزاد صاحب نے بمبئی کی ایک مجلس میں مسلمانوں کو مخاطب کرتے ہوئے کہا بلکہ اس حقیقت کا برملا اعتراف کیا کہ ''مولانا احمد رضا خاں ایک سچے عاشقِ رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) گزرے ہیں''۔

بانی جماعتِ اسلامی ابو الاعلیٰ مودودی کے نائب مولوی غلام علی صاحب حضرت فاضل بریلوی کی چند تصانیف کا مطالعہ کرنے کے بعد اس نتیجے پر پہنچے کہ ''جو علمی گہرائی میں نے ان کے یہاں پائی، وہ بہت کم علما میں پائی جاتی ہے اور عشقِ خدا اور رسول تو ان کی سطر سطر سے پھوٹتا ہے''۔

حوالہ جات : ۱) حیاتِ اعلیٰ حضرت، جلد اول، ص: ۶۵۔۲) حیاتِ استاذ العلماء، ص: ۱۵، مطبوعہ سرگودھا۔۳) ماہنامہ ''رضوان'' لاہور۔ ستمبر ۱۹۶۲ء، ص: ۱۴۔۴) مراۃ العاشقین، ص: ۳۰۱، مطبوعہ لاہور۔۵) فاضلِ بریلوی اور ترکِ موالات، ص: ۱۷، طبع چہارم، مطبوعہ لاہور۔۶) پیغاماتِ یومِ رضا، ص: ۱۸، طبع دوم، لاہور۔۷) پیغاماتِ یومِ رضا، ص: ۲۷، طبع دوم، لاہور۔۸) پیغاماتِ یومِ رضا، ص: ۳۱، طبع دوم، لاہور۔۹) تحقیقات، ص: ۱۲۴، مطبوعہ الٰہ آباد۔۱۰) ہفت روزہ ''شہاب'' لاہور۔ ۲۰ رنومبر ۱۹۶۲ء۔

صلوا علیہ و آلہ

کیا دنیا نے ایسا عظیم انسان بھی دیکھا ہے؟

از: مولانا توفیق مصباحی

ایک عرب ادیب احمد حسن الزیات لکھتے ہیں:

دُنیا میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے تو وہ چیز جسے دُنیا آج آزادی کے نام سے جانتی ہے بڑی دیر سے سپرد خاک ہوئی پڑی تھی۔ آزادی کو آپ نے اس کی قبر اکھاڑ کر نہ نکالا ہوتا تو اس پر اترانے والے آج اس کا چہرہ بھی نہ دیکھ پاتے۔

دُنیا میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے تو عقلوں پر بہت بڑے بڑے تالے پڑے تھے۔ خدا کے اس فرستادہ نبی نے ہتھوڑے برسا برسا کر عقلوں پر پڑے ہوئے زنگ آلود قفل توڑے اور لوگوں سے اس پر بہت کچھ سنا، تا آنکہ جہالت اور خرافات کی یہ زنجیریں ٹوٹیں اور وہ عقل جس پر یہ دُنیا ناز کرتی ہے انسان کو واپس ملی اور وہ علم جس پر یہ اتراتی ہے اس کے دَر تک پہنچا۔

انسان کو یہ سکھانا کب آسان تھا کہ سبقت کا میدان نیکی اور فضیلت ہے اور تفوّق پانے کی بنیاد خیر اور اچھائی۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے دم سے انسان کو معلوم ہوا کہ تعاون باہمی کی بنیاد، مقاصد ہوا کرتے ہیں نہ کہ قوم اور قبیلے اور پیدائشی رشتے۔ یہ ایک بہت بڑی زقند تھی جو انسان کو تاریخ کے اس عہد سے بھرنا نصیب ہوئی۔ تب یوں ہوتا ہے کہ ایک آدھی دُنیا کے اندر مختلف جنسوں اور رنگوں کے لوگ ہاتھوں میں ہاتھ دے کر نیکی اور تقوی کے ہزاروں اجتماعی منصوبے پروان چڑھانے میں لگ جاتے ہیں اور پھر جہان میں بے انتہا حسین قدروں کی تعمیر شروع ہوتی ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے تو پہلی بار دنیا نے جانا کہ قلوب کو مواخات کے سہارے جوڑا جاتا ہے اور حقوق کو مساوات کے دم سے۔ تب معاشرے کا سب سے کمزور آدمی سمجھنے لگا کہ خدا کی یہ سب فوج اسی کا جتھہ اور قبیلہ ہے۔ معاشرے کا سب سے نادار شخص یہ سمجھنے لگا کہ بیت المال اس کی ذاتی جاگیر ہے۔ دُنیا کا ایک بے سہارا و بے خانماں شخص دیکھنے لگا تھا کہ اہل ایمان کی صورت میں اس کو بہت سے بھائی مل گئے ہیں۔

محمد صلی اللہ علیہ وسلم انسانیت کے لیے ایک ایسی ہی خوبصورت جہت کا نام ہیں۔ دُنیا اور آخرت کی اتنی خیر ایک ہی جگہ کہیں پائی ہی نہیں جاسکتی۔

ایک ادیب لکھتا ہے:

تاریخ کے کچھ واقعات خود تاریخ سے بڑے ہوتے ہیں۔ حرا کے اندر رونما ہونے والا واقعہ یعنی آسمان کے امین کا زمین کے امین سے ارتباط ہونا اور اس سے انسانی شعور کے لیے روشنی کی ایک نئی کرن پھوٹ پڑنا ایک کائناتی واقعہ ہے نہ کہ محض تاریخ انسانی کا ایک وقوعہ۔

ایک نومسلم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو خراج عقیدت پیش کرتے ہوئے لکھتا ہے:

عرب کے خاندانی تفاخر کو ذرا نظر میں رکھیے اور پھر خدا کے اس بندے کی خدا آشنائی دیکھیے۔ قرآن اس کا اپنا کلام ہوتا تو اس میں مسیح کی ماں کے لیے ایک پوری سورت مخصوص کی جانے کی بجائے اس کی اپنی ماں کے نام کی کئی سورتیں ہوتیں۔ آل عمران کی بجائے یہاں آل عبدالمطلب کی تلاوت ہوتی اور عربوں کے لیے اس میں ذرا بھر تعجب کی بات نہ ہوتی مگر اس شخص کی خدا پرستی دیکھیے کہ مسیح کی ماں کا ذکر یہ تاریخ انسانی کی چار برگزیدہ ترین عورتوں میں کرتا ہے جبکہ اپنی ماں کی تربت پہ کھڑا روتا اور دوسروں کو رلاتا ہوا یہ کہہ رہا ہے: میں نے خدا سے درخواست کی کہ اپنی ماں کے لیے دُعائے مغفرت کرلوں پر خدا نے مجھے اس کی اجازت نہ دی۔ میں نے اس کی قبر کی زیارت کے لیے اجازت مانگی خدا نے مجھے اس بات کی البتہ اجازت دے دی۔ (تحقیق یہ ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی دعا سے اللہ عزوجل نے آپ کے والدین کریمین کو زندہ فرمایا اور دونوں حضرات مشرف بہ اسلام ہوئے۔)

ان اتبع الا ما یوحی الی (ترجمہ) میں تو اسی کی پیروی کرتا ہوں جو مجھے وحی کی جاتی ہے۔

عرب کا وہ پسماندہ تو ہم پرست ماحول ذہن میں لایئے جہاں

لوگ ہر سادھو اور ملنگ سے دبتے ہیں اور اس کے روحانی اختیارات کی دھاک ان پر یوں بیٹھتی ہے گویا وہ جب چاہے ان کو بھسم کر کے رکھ دے۔ معجزات پاس رکھتے ہوئے بھی دیکھیے کس طرح خدا کا یہ نبی ان کو اپنی بندگی اور خدا کے حضور اپنی عاجزی کا یقین دلاتا اور ان کے توہمات دور کرتا ہے: قل لا املک لنفسی نفعاً ولا ضراً الا ماشاء اللہ۔ ولو کنت اعلم الغیب لاستکثرت من الخیر وما مسنی السوء ان انا الا نذیر و بشیر لقوم یومنون (اعراف:188)

تم فرماؤ: میں اپنی جان کے بھلے برے کا خودمختار نہیں مگر وہ جو اللہ چاہے اور اگر میں غیب جان لیا کرتا تو یوں ہوتا کہ میں نے بہت بھلائی جمع کر لی اور مجھے کوئی برائی نہ پہنچی، میں تو یہی ڈر اور خوشی سنانے والا ہوں انہیں جو ایمان رکھتے ہیں۔ (کنزالایمان)

دیانت اور خدا آشنائی کی عجیب عجیب مثالیں ہیں جو اس نبی کی سیرت پڑھنے والے کے سامنے آتی ہیں....

حدیبیہ گویا فتح مبین کا دیباچہ ہے۔ اس کے ساتھ ہی فتوحات کا تانتا بندھتا ہے۔ عرب کا کوئی نہ کوئی قلعہ روز ہی آپ کی فوجوں کی دھمک سے گرتا ہے اور آپ کی قلمرو میں میلوں کے حساب سے ہر روز اضافہ ہوتا ہے۔ قیصر اور کسریٰ، یمن اور مصر تک کے بادشاہوں کو نامے ارسال ہوتے ہیں۔ مصر سے تحفے میں بھیجی گئی کنیز ماریہ آپ کے حرم میں داخل ہوتی ہیں اور آپ کے لیے ایک فرزند جنتی ہیں .... ابراہیم۔ ایسا شہزادہ بھی دُنیا نے کبھی نہ دیکھا ہوگا۔ یہ اقتدار نبوت کی اوج کا زمانہ ہے کہ ابراہیم فوت ہو جاتا ہے اور اتفاق یہ کہ سورج بھی اسی دن بے نور ہو جاتا ہے۔ دو بڑے واقعے .... لوگ خود بخود ان میں رشتہ ڈھونڈتے ہیں اور ہر طرف یہ باتیں ہونے لگتی ہیں کہ آفتاب کا یہ گرہن کسی بہت بڑے انسان کی موت سے منسلک ہے اور یہ کہ ابراہیم کی موت سے بڑھ کر اس کی کیا مناسبت ہو سکتی ہے۔ توہم پرست معاشروں کے اندر کتنے فرعونوں اور شاہی خاندانوں نے اپنے شجرۂ نسب سورج اور ستاروں اور زہرہ و مریخ سے نہیں جوڑے اور آج تو یہ سورج آپ سے آپ بے نور ہے اور آپ تو خدا کے نبی ہیں۔ ذرا اگر خاموش رہ لیں تو مفت میں پورے عرب پر ایک عجیب دھاک بیٹھتی ہے اور غم کے وقت تو انسان اپنے لیے کیا کیا تسلیاں نہیں دیکھتا مگر یہ صادق اور امین ہیں جن کو خدا کی جانب سے انسانی فکر و شعور کی ساخت اور تربیت کی امانت سونپی گئی ہے۔ یہاں خدا کے سوا کوئی بڑا نہیں ہو سکتا۔ لوگوں کو اکٹھا ہونے کے لیے منادی کی جاتی ہے۔ مجمع میں آپ خطبہ دینے کھڑے ہو جاتے ہیں:

ان الشمس والقمر آیتان من آیات اللہ لا یخسفان لِمَوتِ اَحد ولا لحیاتہ، فاذا رایتم ذلک فاذکروا اللہ (البخاری: عن عبداللہ بن عباس، حدیث نمبر/2963)

یہ سورج اور یہ چاند خدا کی نشانیوں میں سے بس دو نشانیاں ہیں۔ یہ نہ کسی کی موت کے باعث گرہن زدہ ہوتے ہیں اور نہ کسی کی پیدائش کے سبب۔ پس جب تم ایسا ہوتا دیکھو تو خدا کا ہی ذکر کرنے لگو۔

ایک مصنف لکھتا ہے:

عظیم ہونا کسی ایک میدان میں بھی انسان کے لیے آسان نہیں۔ آدمی کا بے پناہ زور لگتا ہے اور تب جا کر وہ کسی شمار میں آنے لگتا ہے مگر یہاں اس باب میں ایک عجیب بات دیکھی گئی ہے اور اس کا مشاہدہ آپ اکثر کریں گے۔ کسی ایک میدان میں کوئی انسان اگر بڑا اور قابل ذکر ہو جائے تو یہ اس کے بہت سے میدانوں میں چھوٹا اور نا قابل ذکر ہونے کی قیمت پر ہوتا ہے۔ بہت سے انسان دیکھے گئے ہیں جو اگر کسی ایک بات میں ماؤنٹ ایورسٹ کی بلندی پر ہوں گے تو کسی دوسرے پہلو سے بحر مردار سے بھی نیچے گرے ہوں گے۔

یہ بات بے انتہا سچ ہے....

اکثر مشہور فاتح نجی زندگی میں نہایت بدخصلت دیکھے گئے۔

اکثر فلسفی اور مفکر عمل کے میدان میں صفر بھی نہیں ہوتے۔

جن شاعروں کی غزلیں اور محبت کے گیت قریہ قریہ گائے جاتے ہیں اور جن ادیبوں کے تخلیقی شہ پاروں سے لوگ زبان کا ذوق پاتے ہیں ان کی ذاتی زندگی میں بسا اوقات اُلو بولتے سنے گئے اور وہ اپنے قریب کے لوگوں پر بے انتہا بھاری دیکھے گئے .... لوگ ان سے صرف مشاعروں اور کتابوں کے اندر رہ کر ہی محظوظ ہوتے ہیں۔

اکثر سیاستدان میدان جنگ کے شہسوار نہیں ہوتے۔ میدان کارزار کے جری بہادر فکر وفلسفہ اور علم ودانش کے مرد میدان نہیں ہوتے۔ اکثر سماجی کارکن گھریلو زندگی میں ایک کامیاب مثال نہیں ہوتے۔ اکثر لیڈروں کے اہل خانہ دوست احباب اور عزیزوں کے لیے ان کے پاس وقت نہ ہونے کے گلے کرتے سنے گئے ہیں۔

اکثر اخلاق کے داعی جو باعمل بھی ہوں حکمرانی میں ناکام ثابت

ہوتے ہیں۔ اخلاق کا اصل امتحان ہوتا ہی تب ہے جب اختیارات کا تاج سر پر رکھا ہو۔

اکثر عبادت گزار معاشرے کے گھمسان سے گزرتے ہوئے بھی گھبراتے ہیں کجا یہ کہ وہ سرکش معاشروں کی ننگی پیٹھ پر چڑھ بیٹھیں اوران کوسدھار لینے کا برتہ رکھیں۔

تجارت کے دھنی دلیری میں نام پیدا کرتے کبھی کم ہی سنے گئے ہوں گے۔

سفارت اور ڈپلومیسی کے محاذ پر سرگرم لوگ یتیموں، بیواؤں اور بے سہاراؤں کے لیے پریشان پھرتے اور دولتمندوں کوان کی خدمت کے لیے مسخر کرتے کبھی کم ہی دیکھے گئے ہوں گے۔

امور قانون کے ماہرین تزکیہ وتربیت اور امور شخصیت سازی میں مستند مرجع کم ہی کبھی مانے گئے ہوں گے۔

حکمائے نفس کیا کبھی اقتصادیات میں بھی منفرد ترین اسکول آف تھاٹ ہوئے ہیں؟

عمرانیات کے استاد علم قلوب میں نام پیدا کرتے کہاں سنے گئے ہیں؟

فوجوں اورخزانوں کے مالک زہد اور درویشی میں بھی مثال ہوں حتی کہ دُنیا کے بڑے بڑے زاہدان ہی کے زہد کی مثال دیں اور انہی سے زہد کے اسباق لیں، ایسا کبھی ہوا ہے؟

پس اصل عظمت تو یہ ہے کہ آدمی ہر پہلو سے بڑا ہو۔ پر یہ کہاں سب کے لیے میسر ہے۔ یہاں دیکھیے کسی ایک میدان میں عظمت دیکھنی ہو تو اس کی انتہا نہیں۔ پھر یہ سب انتہائیں ایک ہی جگہ اکٹھی ہوں اور عظمت کے اتنے لاتعداد پہلو کسی ایک ہی انسان میں اس بے ساختگی کے ساتھ مجتمع ہوں۔ تاریخ انسانی کے اتنے بڑے بڑے اعزاز ایک ہی شخصیت میں سما جائیں اور وہ تب بھی ہلکا پھلکا لاپرواہی سے یہاں صرف الرفیق الاعلی کا سوال کرے۔ دن کے اتنے کارنامے راتیں سجدہ وقیام میں خدا کے ساتھ بسر ہونے میں مانع نہ ہو پائیں اور وہ خدا سے مانگے تو صرف آخرت۔ گھر میں دو دو تین تین ماہ چولہا جلنے کی نوبت نہ آئے اور کھجور کی سخت چٹائی سوتے ہوئے نرم جلد میں پیوست ہو جایا کرے اور اسے اس بات کی پرواتک نہ ہو۔ یہ ہیں محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے بندے اور اس کے رسول!!!

جیسے جیسے کسی انسان کا ستارۂ قسمت بلند ہو ویسے ویسے ہی خدا کی کبریائی کے آگے اس کا سرنگوں ہو اور ویسے ویسے ہی اس کی زبان پر خدا کی تعریف وتسبیح اور اپنے قصور پر استغفار کا ورد سنا جانے لگے۔ بندگی کی ایسی خوبصورت تصویر محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑھ کر آپ کو کہاں ملے گی؟؟؟

دِل کو دِل سے راہ ہوتی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس بات کو یوں بیان کرتے ہیں: **الارواح جنود مجندة**

یہ بات بہت اُمید افزا ہے تو بے انتہا خوفناک بھی۔ اس دل کو کس سے راہ ہے؟ یہ قریب قریب اس بات کا جواب ہے کہ آخرت میں آدمی کا ٹھکانہ کہاں ہونے والا ہے۔ اس دل کے کیا کہنے جسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ میلان ہو اور اس میں آپ کے لیے محبت موجزن ہو۔ محبت کی پچاس تفسیریں آپ کرنے کو کر سکتے ہیں مگر محبت ایک طبعی چیز ہے اور بیان میں اس کا آنا بے انتہا مشکل۔ کسی کو خدا سے اور اس کے نبیوں سے اور جنتی روحوں سے محبت ہوتی ہے تو کسی کو بدکاروں اور بدبختوں سے۔ یہ قسمت قسمت کی بات ہے اور جیسا کہ ہم نے کہا یہ بڑی حد تک اس بات کا جواب ہے کہ آخرت میں ایک آدمی کہاں پایا جانے والا ہے۔ اس لیے آپ فرماتے ہیں: **المرء مع من احب** آدمی اُسی کے ساتھ ہوتا ہے جس سے وہ محبت کرتا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت ہونا انسان کے نیک بخت ہونے کی دلیل ہے۔ آپ کی جانب میلان کے حوالے سے ہر نفس اپنے ظرف اور اپنی حیثیت کا تعین کر سکتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کا دور محض صحابہ کا زمانہ نہ تھا۔ یہ خبر قیامت تک کے لیے باقی ہے۔ **عن ابی هریرة ان رسول الله صلی الله علیه وسلم قال: من اشد امتی لی حباً ناس یکونون بعدی یودّ احدهم لو رآنی باهله وماله** (صحیح مسلم: ۲، ۳۷۷/۱۴، صحیح مسلم: ۵۰۶۰)

حضرت ابوہریرہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میری اُمت میں سے میرے ساتھ سب سے بڑھ کر محبت کرنے والوں میں وہ لوگ بھی ہیں جو میرے بعد آئیں گے۔ ان میں کا ایک ایک شخص یہ تمنا کرے گا کہ وہ اپنی سب دولت ہاتھ سے دے کر اور اپنا گھر بار لٹا کر مجھے ایک نظر دیکھ لے۔

سید التابعین ابومسلم خولانی کو ایک بار صحابہ پر بہت رشک آیا۔ کہنے لگے: اصحاب محمد سمجھتے ہیں کہ وہ ساری کی ساری فضیلت لے گئے۔ بخدا ہم کو بھی اگر موقع ملا ہوتا تو لوگ دیکھتے ہم کیونکر آپ کی

جانب کسی کو اپنے سے آگے بڑھنے دیتے ہیں۔ اصحاب محمد جان لیں کہ ان کے بعد بھی اس اِس اُمت میں مرد پائے جاتے ہیں۔

جبیر بن نفیل (تابعی) کہتے ہیں: ہم صحابی رسول مقداد بن الاسود کے حلقے میں بیٹھتے تھے کہ وہاں سے ایک اور تابعی گزرے اور مقداد کو دیکھ کر کہنے لگا: ان آنکھوں کے کیا کہنے جو اللہ کے رسول کو جی بھر کر دیکھتی رہیں۔ کاش کہ ہم بھی وہ کچھ دیکھ پاتے جس کو یہ آنکھیں دیکھتی رہیں اور ان فضاؤں کا نظارہ کرتے جن کا یہ آنکھیں نظارہ کر چکی ہیں۔

ثابت بنانی (تابعی) جب بھی انس بن مالک کو دیکھتے تو ان کی جانب لپک کر بڑھتے اور ان کا ہاتھ چومتے اور کہتے: اس ہاتھ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ کا لمس پا رکھا ہے۔

یحییٰ بن الحارث (تابعی)، واثلہ بن الاسقع (صحابی) کے ہاتھ کو بوسہ دیتے اور کہتے: اس ہاتھ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پہ بیعت کر رکھی ہے۔ صحابی رسول سلمہ بن الاکوع کے ہاتھ کو بعض تابعین کا اسی انداز میں بوسہ دینا بھی مذکور ہوا ہے۔

حسن بصری جب بھی مسجد نبوی کے اس چوبی ستون کا واقعہ بیان کرتے جس کو چھوڑ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منبر پر کھڑے ہو کر خطبہ دینا شروع کیا تو اس ستون سے اس اونٹنی کے سے انداز میں بلبلانے کی آواز سنی گئی جس سے اس کا بچہ دور کر دیا گیا ہو یہاں تک کہ آپ نے جا کر اس پر اپنا دست مبارک دھرا تو اس سے وہ آواز آنا رکی۔ حسن بصری جب بھی یہ واقعہ بیان کرتے تو آواز بھرا جاتی اور کہتے: خدا کے بندو! یہ لکڑی کا ایک بے جان ستون ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے اُداس ہوتا ہے۔ تم پر تو آپ کا حق اس سے کہیں بڑھ کر ہے۔

امام احمد کہتے ہیں: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جو حدیث بھی لکھی اس پر عمل کیا۔ یہاں تک کہ جب میں اس حدیث سے گزرا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوطیبہ سے احتجام کروایا اور اجرت میں اس کو سونے کی ایک پوری اشرفی دے ڈالی تو میں بھی حجام کو اس پر سونے کی ایک اشرفی دے کر آیا۔ فرمایا کرتے تھے اگر تم ایسا کر سکو کہ سنت سے دلیل کے بغیر بدن کا ایک بال بھی مت کھجلاؤ تو ضرور ایسا کرو۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی برگزیدگی کا بھی کچھ ہم سے تقاضا ہے کہ ہم آپ کی تعظیم اور توقیر کی صحیح وجوہات سے آشنا ہوں۔

اس دُنیا میں ہر قوم ہی اپنے بڑوں کے لیے جوش میں آتی ہے۔ ہر اُمت کے لیے کچھ چیزیں سمجھوتے سے ماورا ہوتی ہیں۔ بلاشبہ ہمارے لیے اللہ اور اس کا رسول اور اس کی کتاب اور اُس کا دِین وہ مقام رکھتے ہیں کہ اِن کی تعظیم کے معاملے میں ہم ہر حد تک جا سکتے ہیں اور بلاشبہ یہ اعزاز آج اِس بھری دُنیا میں ایک ہمیں کو حاصل ہے۔

مگر یہ ایک منفرد اعزاز ہے۔ اس کی انفرادیت ہم سے روپوش ہو جائے تو یہ اعزاز اپنی تمام تر عظمت کے باوجود ہمارے ہاتھ سے بڑی حد تک چلا جاتا ہے۔ اگر ایسا ہے تو ہم میں سے کتنے ہیں جو خدا کی صفات سے آگہی پانے پر اپنی زندگی کا کچھ عرصہ صرف کر چکے ہیں؟

ہم میں سے کتنے ہیں جن کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے لگاؤ کسی علم اور آگاہی کا نتیجہ ہے اور جو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ذہنی قربت اور آپ سے علمی اور شعوری صحبت پانے پر کچھ محنت کر چکے ہیں؟ نبی کا بڑا ہونا جن کے لیے کوئی سنی سنائی بات نہیں بلکہ بصیرت پر مبنی ایک حقیقت ہو؟

محض ایک گروہی وابستگی اس نبی کے مقام سے فروتر ہے۔ یہ نبی جو اس جہان میں علم کی قندیلیں جلانے اور شعور کا اُجالا کرنے آیا ہے اور جو ضمیر اور کردار کے اندھیرے مٹانے اور معاشروں کی کایا پلٹنے اور انسانی زندگی کے ہر معاملے میں حَکَم بننے آیا ہے اور سب سے بڑھ کر خدا کی تعظیم اور بندگی کی صحیح مثال اور خدا کی توحید اور کبریائی کی مسلسل یاد دہانی بننے آیا ہے۔ اس سے کہیں بلند ہے کہ محض تقریروں اور جلوسوں اور نعتوں سے ہی اس کا حق ادا ہو جانے لگے۔ اس سے تو جب تک شعور اور کردار کی دُنیا میں ہی روشنی نہ کروائی جائے۔ اس کو تو جب تک علم اور توجہ کا موضوع نہ بنایا جائے اس سے وابستگی ایک بے معنی عمل رہتی ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مقام بیان کرنے کا ایک پہلو تو وہ ہے جس سے ہم نے غیر مسلموں کو متعارف کرایا ہے اور یہ بھی بلاشبہ ضروری تھا۔ البتہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مقام بیان کرنے کے کئی پہلو وہ ہیں جن سے ہم مسلمانوں کو متعارف ہونا ہے اور بلاشبہ یہ بھی بے انتہا ضروری ہیں۔ انفرادیت اِس اُمت کا عجب خوبصورت وصف ہے۔ ع

خاص ہے ترکیب میں قوم رسولِ ہاشمی

شرعی احکام ومسائل

از: مفتی محمد نظام الدین رضوی

(۱) حکومت نے تقریبا دوسو سال پہلے ایک زمین مسلمانوں کو قبرستان کے لیے دی۔ پھر مسلمانوں نے اپنی تحویل میں لے کر ایک کمیٹی بنائی اور وقف کیا اب یہ وقف ہوگا یانہیں۔

(۲) قبرستان کی مطلق وقف شدہ زمین میں یعنی پرانے قبرستان میں بہت بعد ۱۹۶۵ء میں ایک مدرسہ قائم ہوا اور پھر یہ کام وقفے وقفے سے بڑھتا رہا کیا قبرستان کی زمین میں مدرسہ بنانا جائز ہے یانہیں؟ اور قبرستان کی باؤنڈری کے اندر ایک نئی باؤنڈری بنا کر اس حصے کو اپنی تحویل میں لینا درست ہے یانہیں نیز قبرستان کی باؤنڈری میں ایک درگاہ ہے اس کے لیے ایک نئی باؤنڈر بنانا درست ہے یانہیں؟

(۳) وقف شدہ زمین میں قبروں کو مسمار کر کے یا بغیر مسمار کیے دوکان بنانا اور اس سے کرایہ وصول کرنا جائز ہے یانہیں؟

(۴) قبروں کو مسمار کر کے دارالافتاء اور دارالاقضاء بنانا اور چپل، جوتا پہن کر چلنا اور وہاں سونا جائز ہے یانہیں؟

(۵) کیا وقف شدہ زمین میں تبدیلی ہوسکتی ہے جب کہ حکم ہے **(لایجوز تغییر الوقف عن هیئته فکیف عن اصله؟)**

(۶) احترام قبرستان اور مقابر کے بارے میں شریعت کا کیا حکم ہے؟

نوٹ: مذکورہ سولات کے جوابات قرآن وحدیث کی روشنی میں عنایت فرمائیں۔

المستفتی:

محمد قیس، جنرل سکریٹری مومن پور جمعہ مسجد پہلی رابوڑی (تھانہ مہاراشٹر)

بسم الله الرحمن الرحیم

الجواب (۱) مسلمانوں نے زمین پر قبضہ کر کے جب اسے قبرستان کے لیے وقف کر دیا تو وہ زمین قبرستان کے لیے وقف ہوگئی۔ حکومت جو زمین قبرستان وغیرہ کے لیے دیتی ہے وہ رعایا یا خود حکومت کی مملوک زمین نہیں ہوئی بلکہ وہ فی الواقع اللہ عزوجل کی ملک ہوتی ہے اور حکومت ایک نگراں اور محافظ کی حیثیت سے مختلف اغراض ومقاصد کے لیے اپنی رعایا کو دیتی ہے۔ حدیث میں ہے کہ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: **عادی الارض للہ ولرسولہ ثم لکم من بعد** ۔ پرانی، غیر مملوک زمین اللہ کی ہے اور اللہ کے رسول کی (جل جلالہ، وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) پھر اس کے بعد وہ زمین تمہاری ہے (سنن الکبریٰ للبیہقی، البدایہ والنہایہ: ج/۶) یہ خطاب مسلمانوں سے ہے تو مطلب یہ ہوا کہ اللہ عزوجل اور اس کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی یہ زمین مسلمانوں کا حق ہے۔ یہ حکم بلاد اسلامیہ کا ہے۔ ہدایہ میں ہے: **العادی ماقدم خرابه، والمروی عن محمد انه یشترط ان لایکون مملوکا لمسلم او ذمی مع انقطاع الارتفاق...... واذا لم یعرف مالکه یکون لجماعة المسلمین اه ملخصا** (الہدایہ: ص: ۴۶۲، ج/۴، کتاب احیاء الموات)

غایۃ البیان میں ہے: **(ما قدم خرابه) ولا یعرف له مالک لا ان یکون منسوبا الیٰ عاد. اه** (حاشیۃ الہدایۃ: ۴۶۲، ج/۴) اور جن بلاد میں مختلف اقوام بستی ہیں وہاں قانوناً اس طرح کی زمینوں میں تمام باشندوں کا حق ہوتا ہے جن میں مسلمان بھی شامل ہوتے ہیں۔ یہ ہوئی اس زمین کی شرعی اور قانونی حیثیت اور بہر حال جب حکومت نے یہ زمین مسلمانوں کو قبرستان کے لیے دے دی اور مسلمانوں نے اس پر قبضہ کر کے اسے قبرستان کے لیے وقف کر دیا تو پوری زمین قبرستان کے لیے وقف ہوگئی کہ زمین مذکور پر یہ قبضہ اپنے حق پر قبضہ ہے اور اپنے حق پر قبضے سے ملک خاص ثابت ہو جاتی ہے اور مملوک کا وقف صحیح ولازم ہوتا ہے جیسا کہ عامۂ کتبِ فقہ میں صراحت ہے اس لیے یہ وقف صحیح ولازم ہوا۔ فتاویٰ رضویہ میں بھی یہی صراحت ہے۔ اس کے الفاظ یہ ہیں۔

''شہر کی زمین پر جس کا کوئی شخص مالک نہیں ہوتا اور والیانِ ملک اس میں بطور خود تصرف کرتے ہیں جسے چاہتے ہیں دیتے ہیں جو چاہتے ہیں بنواتے ہیں۔ ایسی زمین ہر (مسجد) باجازت راجہ بنی ملک کی غیر مملوک زمین اللہ عزوجل کی ملک ہوتی ہے۔ بیت المال کی کہلاتی ہے

راجہ اس کا مالک نہیں ہوتا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں **عادی الارض للہ و رسولہ** ۔(فتاویٰ رضویہ: ج ۶/ص ۴۵۹، سنی دارالاشاعت)

(۲) جو زمین قبرستان کے لیے وقف ہو چکی اور اس میں اموات مسلمین عرصۂ دراز سے مدفون بھی ہوتے رہے ہیں اس میں بعد کے ادوار میں کبھی بھی مدرسہ قائم کرنا پھر اس کی توسیع کرنا اور قبرستان کی باؤنڈری کے اندر ایک نئی باؤنڈری بنا کر اس حصے کو اپنی تحویل میں لینا یہ سب حرام و گناہ ہے۔ یوں ہی درگاہ کے لیے بھی کوئی نئی اضافی باؤنڈری بنانا حرام و گناہ ہے۔ جس کی وجہ یہ ہے کہ یہ تغییر وقف ہے جو ناجائز ہے۔ فقہا فرماتے ہیں کہ وقف کی ہیئت کو بھی بدلنا جائز نہیں اگر چہ مقصد برقرار رہے تو پھر مقصد وقف (تدفین مسلمین) کو ہی بدل دینا بدرجۂ اولیٰ ناجائز ہوگا۔ فتاویٰ عالم گیری میں ہے: **لایجوز تغییر الوقف عن هیئته فلا یجعل الدار بستانا ولا الخان حماما ولا الرباط دکاناً.... کذا فی السراج الوهاج اه** (ص/ ۴۹۰، ج ۲/)

اور اگر معاذ اللہ کچھ قبروں کو مسمار کر کے ایسا کیا جائے یا اس عمل میں قبور مسلمین کی بے حرمتی ہو تو یہ ایک الگ وجہ عدم جواز کی ہوگی۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

(۳) مسلمانوں کی قبروں کو مسمار کر کے ان پر دکان بنانا دو وجہ سے ناجائز و گناہ ہے ایک تو قبور مسلمین کی توہین جو حرام و بدانجام ہے۔ متعدد احادیث شریفہ میں حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس سے ممانعت فرمائی ہے اور اس کے مرتکب کو وعید سنائی ہے۔ دوسری وجہ تغییر وقف ہے یعنی غرض وقف کے خلاف دوسری غرض میں استعمال کرنا جس کے ناجائز ہونے کی صراحت فتاویٰ عالمگیری سے ابھی گزری اور اگر قبروں کو مسمار کیے بغیر کوئی قبرستان میں دوکان بنائے تو یہ ایک وجہ سے ناجائز و گناہ ہے اور وہ ہے تغییر وقف۔

بلکہ اگر اس حیثیت سے دیکھا جائے کہ وقفی زمین مال یتیم کے مثل ہے اور اس پر ناجائز قبضہ ایک طرح سے اس کا غصب ہے تو یہ اس کے عدم جواز کی بجائے خود ایک بڑی وجہ ہوگی۔

اگر خدانہ کردہ کہیں ایسی زیادتی ہوئی ہو تو دوکان بنانے والے پر واجب ہے کہ زمین وقف کو جلد از جلد اپنے ناجائز قبضہ سے خالی کرے اور جتنے دنوں تک وقفی زمین کو اپنے قبضے میں مشغول رکھا اتنے دنوں کا کرایہ وقف کو ادا کرے۔

بعض لوگ اس طرح کے مواقع پر اپنے ناجائز عمل کے لیے اس عبارت کا سہارا لیتے ہیں۔ **قال ابن القاسم: لو ان مقبرة من مقابر المسلمین عفت فبنی قوم علیها مسجداً لم ار بذلک باسا** ۔ مگر یہ عبارت ان کا سہارا ہرگز نہیں بن سکتی کیوں کہ یہ ابن القاسم مالکی مذہب کے ایک عالم ہیں ان کا قول مذہب حنفی میں قطعاً مسموع نہیں۔ وہ بھی یہ خاص ان کی اپنی رائے ہے جو مذہب حنفی کے اصول و فروع کے صریح خلاف ہے خصوصاً احادیث نبویہ کے خلاف ہے پھر وہ رائے کیوں کر مقبول ہو سکتی ہے اس لیے ایسے لوگوں کو چاہیے کہ دل میں خوف خدا رکھ کر اپنے مذہب حنفی پر قائم رہیں اور احادیث نبویہ پر عمل پیرا ہوں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

(۴) قبروں کو مسمار کر کے دارالافتاء اور دارالقضاء بنانا اور ان پر جوتے چپل پہن کر چلنا اور سونا حرام و گناہ ہے یعنی ان میں سے ہر کام الگ الگ حرام و گناہ ہے کہ یہ مسلم اموات کی ایذا رسانی اور سخت بے حرمتی ہے جس کی مذمت اور ممانعت کی احادیث جواب نمبر/ ۶ میں آ رہی ہیں۔ ہم یہاں صرف چند فقہی عبارات کے نقل پر اکتفا کرتے ہیں۔ خزانۃ الراویہ میں ہے:

لایجوز لاحد ان یبنی فوق القبور بیتا او مسجدا لان موضع القبر حق المقبور ولهٰذا لا یجوز نبشه اه مختصرا

قبروں پر کوئی گھر یا مسجد بنانا ناجائز ہے اس لیے کہ قبر کی جگہ میت کا حق ہے اور یہی وجہ ہے کہ اسے کھود کر نکالنا بھی ناجائز ہے۔ (خزانۃ الروایۃ)

حدیقۂ ندیہ میں ہے کہ امام علی ترجمانی فرماتے ہیں:

یا ثم بوطاء القبور لان سقف القبر حق المیت اه

قبروں پر چلنے والا گنہ گار ہے اس لیے کہ قبر کی چھت میت کا حق ہے۔ (حدیقۂ ندیہ)

فتاویٰ قاضی خاں میں ہے:

مقبرة قدیمة بمحلة لم یبق فیها اٰثار المقبرة هل یُباح لاهل المحلة الانتفاع بها؟

قال ابو نصر رحمه الله تعالیٰ: لایباح. اھ
ایک محلے میں پرانا قبرستان ہے جس میں قبرستان کے آثار باقی نہیں رہ گئے ہیں تو کیا اہل محلّہ کے لیے اس سے انتفاع جائز ہے؟
امام ابونصر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اس کے جواب میں فرمایا کہ ناجائز ہے۔(فتاویٰ قاضی خاں) واللہ تعالیٰ اعلم
(۵) وقف شدہ زمین کبھی بھی تبدیل نہیں ہوسکتی کہ غرض واقفین کی رعایت واجب ہے۔
درمختار میں ہے:
مراعاۃ غرض الواقفین واجبۃ ۔تو جس غرض کے لیے واقفین نے زمین کو وقف کیا ہے اسے بدل کر دوسری غرض میں استعمال کرنا ترکِ واجب ہے جو ناجائز و گناہ ہے اسی لیے سراج وہاج اور فتاویٰ عالمگیری میں اسے ناجائز قرار دیا بلکہ وقف کی ہیئت بدلنی بھی ناجائز قرار دی جیسا کہ اس کے کلمات ابھی گزرے۔واللہ تعالیٰ اعلم۔
(۶) مقابرِ مسلمین بھی دیارِ مسلمین ہیں تو ان کا احترام بھی ضروری ہے کہ مسلمان کی عزت جیسے زندگی میں ضروری ہے ویسے ہی بعد وفات بھی۔فتح القدیر میں ہے:
الاتفاق علی ان حرمۃ المسلم میتا کحرمۃ حیا ۔علما کا اتفاق ہے کہ مسلمان کی عزت زندہ، مردہ برابر ہے۔(فتح القدیر)
☆ حدیث میں ہے کہ حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
المیت یوذیہ فی قبرہ مایوذیہ فی بیتہ ۔مردے کو قبر میں بھی اس بات سے تکلیف پہنچتی ہے جس سے اسے گھر میں تکلیف پہنچتی ہے۔(مسند الفردوس)
☆ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
لان یجلس احدکم علی جمرۃ فتحرق ثیابہ فتخلص الی جلدہ خیر لہ من ان یجلس علیٰ قبرہ.
تم میں سے کوئی آگ کے انگارے پر بیٹھے اور وہ اس کے کپڑوں کو جلا کر اس کی کھال تک پہنچ جائے یہ یقینی طور پر اس بات سے بہتر ہے کہ وہ کسی قبر پر بیٹھے۔(صحیح مسلم شریف: ص/۳۱۲، ج/۱)
☆ حضرت عمارہ بن حزم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ
رانی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جالسا علی قبر فقال یا صاحب القبر، انزل من علی القبر، لا توذ صاحب القبر ولا یوذیک.
رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مجھے ایک قبر پر بیٹھے ہوئے دیکھا تو فرمایا اے قبر پر بیٹھنے والے: قبر سے اتر جا صاحبِ قبر کو تکلیف نہ دے اور نہ وہ تجھے تکلیف پہنچائے۔(شرح معانی الآثار، معجم کبیر، طبرانی: بسند حسن وحاکم وابن مندہ)
دوسری روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے عمرو بن حزم کو ایک قبر سے ٹیک لگائے دیکھا تو فرمایا:
لا توذ صاحب القبر ۔صاحب قبر کو ایذا نہ دے۔(مشکوٰۃ المصابیح بحوالہ مسند امام احمد بن حنبل)
☆ حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
لان امشی علی جمرۃ أو سیف اور اخصف نعلی برجلی احب الی من ان امشی علی قبر ۔چنگاری یا تلوار پر چلنا یا پاؤں میں جوتا گانٹھنا مجھے کسی قبر پر چلنے سے زیادہ پسند ہے۔(ابن ماجہ بسند جید)
اس مضمون کی اور بہت سی روایات اور علما کی تصریحات ہیں کہ قبروں پر چلنے بیٹھنے یہاں تک کہ ٹیک لگانے سے بھی میت کو تکلیف پہنچتی ہے اور اسے وہ اپنی بے حرمتی سمجھتے ہیں جیسا کہ ایک زندہ انسان کو ان باتوں سے تکلیف ہوتی ہے اور وہ اس میں اپنی بے حرمتی سمجھتا ہے اور قبروں پر چلنا آگ اور تلوار کی دھار پر چلنے سے زیادہ برا ہے۔
اس لیے قبورِ مسلمین کا احترام ضروری ہے اور ان کی قبروں کو مسمار کر کے ان پر عمارت بنانا، چلنا، پھرنا، اٹھنا بیٹھنا سب ناجائز و گناہ ہے اس لیے مسلمانوں پر لازم ہے کہ اپنے مقابر بالخصوص وقفی مقابر کی ممکن حد تک حفاظت کریں اور انہیں بے حرمتی سے بچائیں۔یہی حنفی مذہب ہے جو احادیث نبویہ کے عین مطابق ہے اور یہی مذہب حضرت امام شافعی اور جمہور علما رحمہم اللہ تعالیٰ کا بھی ہے جیسا کہ امام ابوزکریا نووی شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے شرح صحیح مسلم ص/۳۱۲، ج/۱ میں واضح الفاظ میں اس کی صراحت فرمائی ہے۔واللہ تعالیٰ اعلم۔
﴿.......﴾

معاملات میں نرمی یا آسانی

از: عابد علی

دین اسلام دنیا کا ایسا مذہب ہے کہ جس میں زور، زبردستی اور جبر کا کوئی معاملہ نہیں۔ دین اسلام قبول کرنے سے لے کر معاملات تک اسلام سختی وزبردستی سے منع کرتا ہے۔ دین اسلام قبول کرنے کے حوالے سے اللہ تعالیٰ کا واضح ارشاد ہے: لا اکراہ فی الدین (دین میں کوئی زبردستی نہیں ہے) جو چاہے اسلام کی تعلیمات کا مطالعہ کر کے اور دلائل کی روشنی میں اسلام میں داخل ہو جائے۔ اس پر کوئی روک ٹوک نہیں ہے اور نہ ہی کسی شخص کو زبردستی قبول اسلام کے لیے آمادہ کیا جائے گا۔ اسلام ایک ایسا دین ہے جو اپنے ماننے والوں سے رضا کارانہ طور پر خدمات لینے کی تعلیم دیتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا قرآن مجید میں ارشادِ گرامی ہے: لایکلف اللہ نفسا الا وسعھا (اللہ تعالیٰ کسی کو بھی اپنی طاقت وسعت سے زیادہ کا مکلّف نہیں بناتا) ایک اور مقام پر اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے کہ ''جس کا رزق کشادہ ہو اس پر اسی کے بقدر اور جو تنگ دست ہو اسی پر اسی کے بقدر (بچے کا نان ونفقہ) ہے۔'' ان ارشادات سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ یہ قدرت کا قانون ہے کہ ہر انسان سے اس کی استطاعت وطاقت کے بقدر ہی حساب لیا جائے گا۔ ایسا نہیں کہ کسی بیمار یا معذور شخص کو اس بات پر مجبور کیا جائے کہ وہ ہر حال میں کھڑے ہو کر ہی نماز ادا کرے یا پھر کسی بیمار کو مجبور کیا جائے کہ وہ بیماری میں یا استطاعت نہ رکھنے کے باوجود رمضان کے روزے رکھے بلکہ ایسے افراد کے لیے شریعت مطہرہ نے آسانی کا حکم دیا ہے کہ وہ اپنی استطاعت کے مطابق ہی عمل کریں۔ بیمار یا معذور شخص اگر کھڑا نہیں ہو سکتا تو اس کے لیے یہ آسانی موجود ہے کہ وہ بیٹھ کر یا لیٹ کر نماز ادا کرے۔ اگر اس پر بھی قادر نہیں تو اشاروں سے ادا کرے اور اسی طرح بیمار شخص کے لیے یہ رخصت ہے کہ وہ رمضان کے روزوں کو فی الوقت چھوڑ کر بعد میں قضا کر لے۔ یہ تمام رخصتیں اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کی آسانی اور ان کی بشری کمزوری کو دیکھ کر ہی عنایت فرمائی ہیں ورنہ ان احکامات پر عمل کرنا انسان کے لیے بہت مشکل ہوتا۔

جب اس کائنات کے خالق و مالک کا اپنے بندوں کے ساتھ یہ معاملہ ہے تو وہ اپنے بندوں پر بھی لازم کرتا ہے کہ وہ بھی اپنے آپس کے معاملات میں نرمی اور رخصت ومہلت کا مظاہرہ کریں۔ اللہ تعالیٰ کی صفات کے متعلق کتابوں میں مذکور ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کی کسی صفت کو اپنائے گا اللہ تعالیٰ بھی اس کے ساتھ وہی معاملہ فرمائے گا کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو اس زمین پر اپنا خلیفہ یا نائب مقرر کیا ہے اور نائب کی یہ ذمے داری ہوتی ہے کہ وہ اپنے افسر بالا یا آقا کی غیر موجودگی یا موجودگی میں وہی کام کرے جو اس کے آقا یا افسرِ بالا نے تفویض کیے ہوں۔ اسی طرح ہم انسان بھی اس زمین پر اللہ کے خلیفہ اور نائب ہیں۔ اس زمین پر اللہ کے احکامات پر عمل کر کے ان کو نافذ کرنا ہماری عین ذمے داری ہے۔ اگر ہم اللہ کی جانب سے تفویض کردہ اس ذمے داری کو ادا نہیں کریں گے تو اللہ تعالیٰ ہمیں ختم کر کے ایسے لوگوں کو اس زمین پر آباد کرے گا جو اللہ کے احکامات کے نفاذ کے لیے اپنی صلاحیتیں خرچ کریں گے اور یہی معاملہ ہمارے عام معاشرے کا بھی ہے کہ جب کوئی شخص اپنی ذمے داریوں کو صحیح طریقے پر ادا نہیں کرتا اور ان میں کوتاہی کرتا ہے تو اسے معزول کر کے اس کی جگہ ایک ایسے شخص کو تعینات کیا جاتا ہے جو ٹھیک طریقے سے اپنے فرائض سرانجام دے۔

اسلام مسلمانوں کے آپس کے معاملات میں خیر خواہی کے جذبے کو پروان چڑھانے کی ضرورت پر بہت زور دیتا ہے۔ یہ اسلام کا ہی خاصہ ہے کہ وہ معاشرے میں امن وسکون، عدل ومساوات، پیار ومحبت اور اخلاص وہمدردی پیدا کرنے کے لیے اپنے ماننے والوں کو تفصیل سے تعلیم دیتا ہے۔ ایک بہترین معاشرے کے قیام کے لیے اللہ تعالیٰ کے ارشادات گرامی اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث ہمارے لیے بہترین نمونہ ہیں جن پر عمل کر کے ایک نیک صالح اور پُر

امن معاشرہ تشکیل دیا جا سکتا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ارشادات پر غور کیجیے:

''مسلمان مسلمان کا بھائی ہے۔''

''حقیقی مسلمان وہ ہے جس کی زبان وہاتھ (کی ایذا) سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں۔''

''ایک مسلمان اپنے کسی دوسرے مسلمان بھائی کو نہ حقیر جانے نہ اس کو رسوا کرے اور نہ ہی اس پر ظلم کرے۔''

''ایک آدمی کے برا ہونے کے لیے یہی کافی ہے کہ وہ اپنے مسلمان بھائی کو حقیر جانے۔''

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دو مسلمانوں کے آپس میں خندہ پیشانی سے ملنے کو بھی باعثِ اجر وثواب قرار دیا ہے۔

کسی کی سواری پر اس کا سامان رکھوانے میں مدد کرنے کو اجر کا باعث گردانا گیا ہے۔

ایک مسلمان پر دوسرے مسلمان کی عزت وآبرو اور جان ومال سب حرام ہیں۔

یہ چند مثالیں ہیں جو ایک بہترین معاشرے کے قیام کے لیے اساسی کردار ادا کرتی ہیں۔ یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ جب تک معاشرے کے افراد میں خیر خواہی کا جذبہ پیدا نہیں ہوگا اس وقت تک ایک نیک وصالح معاشرہ قائم نہیں ہو سکے گا۔

مسلمانوں کے آپس کے معاملات میں خیر خواہی کے جذبے کو مدنظر رکھتے ہوئے ایک پُر امن اور نیک وصالح معاشرہ تو قائم ہوگا ہی لیکن اس کے بدلے اللہ تعالیٰ کی خوشنودی ورضا بھی حاصل ہوگی جو درحقیقت ہر مسلمان کا مطلوب ومقصود ہے۔

تجارتی ودیگر معاملات میں کبھی کبھی انسان پر ایسا وقت بھی آجاتا ہے کہ وہ بالکل مفلس ہو کر رہ جاتا ہے۔ محلات سے فٹ پاتھ اور جھونپڑی سے بڑے بڑے محلات تک پہنچ جانے کی مثالیں ہماری سامنے ہیں۔ یہ سب اللہ تعالیٰ کی قدرت کا کرشمہ ہے۔ اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتا ہے: ''یہی دن (روز وشب) ہیں جنہیں ہم لوگوں کے مابین گردش میں لاتے رہتے ہیں۔''

آفات درحقیقت اللہ تعالیٰ کی جانب سے اپنے بندوں پر بسا اوقات بطریقِ آزمائش ہوتی ہیں تو بعض بندوں کی سرکشی کی وجہ سے ان کے لیے سزا ہوتی ہیں۔ بہر حال ان حالات میں اسلام اپنے پریشان حال اور تنگ دست بھائی کے ساتھ نرمی اور نیک سلوک کرنے کی تعلیم دیتا ہے۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ اس شخص پر اپنی رحمت نازل فرمائے جو بیچنے میں، خریدنے میں اور تقاضا کرنے میں نرمی کرتا ہے۔'' (بخاری شریف)

باہمی لین دین اور خرید وفروخت کے معاملات میں نرمی اختیار کرنا معاشرتی تعلقات کے استحکام اور آپس کے تعاون وہمدردی کے نقطۂ نظر سے انتہائی ضروری ہے۔ اس حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خرید وفروخت اور اپنا حق طلب کرنے میں نرمی کرنے والے کی فضیلت بیان کی ہے کہ اللہ تعالیٰ ایسے شخص پر رحمت کا نزول فرماتا ہے جو دوسرے کے ساتھ نرمی کا معاملہ کرتا ہے۔

ہمارے معاشرے میں یہ بارہا دیکھا گیا ہے کہ اپنا حق وصول کرنے میں بھی جھگڑے وغیرہ ہو جاتے ہیں اور تاجر حضرات رقم وقت پر ادا کرنے پر بھی آپس میں جھگڑا اور تعلقات کو خراب کرتے دکھائی دیتے ہیں۔ شریعتِ مطہرہ نے اپنا حق وصول کرنے والوں اور مقروض دونوں کے لیے حدود وقیود کی ہیں۔ ایسا شخص جو حوادثِ زمانہ کی وجہ سے بالکل مفلس ہو کر رہ گیا ہو اس کے ساتھ نرمی کا معاملہ کرنا ضروری ہے لیکن ایک ایسا شخص جس کے پاس پیسے موجود ہوں اور کوئی مجبوری بھی نہیں ہے لیکن اس کے باوجود وہ ٹال مٹول سے کام لیتا ہے تو یہ درست نہیں۔ ایسے شخص کے لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے کہ: ''مالدار کا ٹال مٹول کرنا ظلم ہے۔''

اور ظلم کے حوالے سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: ظلم قیامت کے اندھیروں میں سے ایک اندھیرا ہے۔

اور قیامت کے دن اندھیرے کا مطلب واضح طور پر جہنم کے علاوہ اور کچھ نہیں۔ مالدار کے لیے یہ مناسب نہیں ہے کہ وہ اپنے اوپر واجب الادا رقم کو ادا کرنے میں تاخیر کرے کیوں کہ یہ رقم ہر وقت اس پر بصورتِ قرض واجب رہے گی اور قرض کے حوالے سے احادیثِ مبارکہ میں وعیدات وارد ہوئی ہیں اور تلقین کی گئی ہے کہ جلد از جلد قرض ادا کر دیا جائے۔ اگر قرض کی حالت میں ہی کسی کا انتقام

ہوجائے تب بھی یہ اچھا فعل نہیں ہوا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کی نماز جنازہ صرف اسی وجہ سے نہیں پڑھی کہ اس پر قرض واجب تھا۔

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:تم سے پہلے گزرے ہوئے لوگوں (گزشتہ امتوں) میں سے ایک شخص کا واقعہ ہے کہ جب اس کے پاس موت کا فرشتہ اس کی روح قبض کرنے آیا تو اس سے پوچھا گیا کہ کیا تو نے کوئی نیک کام کیا ہے؟ اس نے کہا: مجھے یاد نہیں ہے، ہاں (اتنا ضرور جانتا ہوں کہ) میں دنیا میں جب لوگوں سے (خرید وفروخت) معاملات کیا کرتا تھا تو تقاضے کے وقت (مطالبات کی وصولی میں) ان پر احسان کیا کرتا تھا۔ ایسے کہ مستطیع لوگوں کو تو مہلت دے دیتا تھا اور جو نادار ہوتے ان کو معاف کردیتا تھا۔(یعنی اپنے مطالبات کا کوئی حصہ یا پورا مطالبہ ان کے لیے معاف کردیتا تھا) چنانچہ اللہ تعالیٰ نے (اس کے اسی عمل پرخوش ہوکر) اس کو جنت میں داخل کردیا۔''(متفق علیہ)

ایک روایت میں اس طرح ہے کہ (جب اس شخص نے اپنا یہ عمل بیان کیا) تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ''میں اس کا (معاف کرنے کا) حق تجھ سے زیادہ رکھتا ہوں (اور فرشتوں سے کہا کہ) میرے اس بندے سے درگزر کرو۔''

اس حدیث سے دو باتوں کا علم ہوا ایک تو اپنے حق کی وصولی کے لیے مستطیع کو مہلت دینا یعنی ایک ایسا شخص جو فی الوقت وقتِ مقررہ پر آپ کا حق ادا کرنے سے قاصر ہے لیکن حالات کی بہتری کی امید ہے کہ کچھ وقت کے بعد اس کے حالات اتنے بہتر ہوجائیں گے کہ وہ اپنا قرض وغیرہ ادا کردے گا تو ایسے شخص کو اس کے حالات کی بہترین تک مہلت دی جائے کہ جب اس کے حالات بہتر ہوں وہ قرض ادا کردے۔

دوسری بات نادار شخص کو معاف کردینے کی ہے کہ ایک شخص بالکل دیوالیہ ہوگیا ہے اور اس کے پاس دینے کے لیے کچھ بھی نہیں ہے اور مستقبل قریب میں ایسے حالات بھی دکھائی نہیں دیتے کہ اس کے حالات بہتر ہوسکیں گے تو ایسے شخص پر واجب الادا قرض وغیرہ معاف کردینا ثواب کا کام ہے۔

اس واقعہ اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ والی حدیث سے یہ باتیں معلوم ہوتی ہیں کہ مستطیع کو مہلت دینا اور نادار شخص کا قرضہ معاف کردینا بڑے اجر وثواب کا باعث ہے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں ایک بہترین، نیک وصالح معاشرے کے قیام کے لیے ان اساسی باتوں پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔(آمین)

﴿.....﴾

(صفحہ ۲۷ کا بقیہ)

☆مقام ابراہیم پر نماز پڑھنے کا حکم
☆امہات المؤمنین رضی اللہ عنہن کے لیے گھروں میں بیٹھا رہنے یعنی پردے کا حکم
☆بدر کے قیدیوں کے متعلق اگرچہ حکم دوسرا آیا لیکن اللہ نے رائے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی پسند فرمائی
☆شراب کے حرام ہونے کے بارے میں حکم
☆منافقین کی نماز جنازہ نہ پڑھنے کے بارے میں
☆منافق کے لیے استغفار سے بھی ممانعت
☆جنگ بدر میں مدینہ سے باہر نکلنے کے بارے میں
☆رمضان المبارک کی راتوں میں بیوی سے صحبت کی اجازت
☆فرشتوں سے دشمنی اللہ سے دشمنی قرار دی گئی
☆حضور علیہ السلام کو فیصل نہ ماننے والے مومن نہیں ہوسکتے
☆آیت **لقد خلقنا الانسان من سلالة من طين** کے بعد **فتبارک الله احسن الخالقين** کے الفاظ کا بطور وحی نازل ہونا۔

﴿.....﴾

دعوت دین میں

رواداری اور خودداری

جن کے بغیر دعوت وتبلیغ کے فرائض صحیح طریقے سے انجام نہیں دیے جاسکتے

از: اسامہ کمال الدین

مبلغین انسان دوست ہوتے ہیں

معاشرے میں اپنا بہترین تاثر قائم کرنا دین کے داعیوں کی ایک بڑی ضرورت ہے۔ جاہلیت کے ساتھ اس جنگ میں صرف ایک دبنگ اور دوٹوک رویہ ہی ضروری نہیں بلکہ سمجھ دار، زیرک اور زمانہ فہم ہونا بھی داعیانِ اسلام پر لازم ہے۔ باطل کو کوئی چھوٹ دینا جس قدر غلط ہے اتنا ہی غلط یہ ہے کہ اس کو اپنی کسی غلطی یا کمزوری کا فائدہ اٹھانے دیا جائے۔ جاہلیت کے قائم کردہ تاثرات کو بے حقیقت کرنا ایک بڑا چیلنج ہے۔ خودداری داعیانِ اسلام کا ایک بڑا ہتھیار رہے۔

اہلِ دعوت مردم بیزار لوگ نہیں انسان دوست ہوتے ہیں لوگوں سے بے پناہ محبت کرتے ہیں ہر ایک سے ہمدردی رکھتے ہیں اور معاشرے میں مکارمِ اخلاق کی تکمیل ان کا ایک بڑا ہدف ہوتا ہے۔ اچھا اور معقول نظر آنا ان کے یہاں بے انتہا مطلوب ہے بلکہ یہ کسی بھی اور انسان سے بڑھ کر ایک داعی کا مطمحِ نظر ہوتا ہے۔ لوگوں میں قابلِ قبول ہونا اور دلوں میں پذیرائی پانا ایک داعی کو بھی بھلا لگتا ہے اور لگنا بھی چاہیے کہ یہ ایک نارمل انسان کی نشانی ہے اور داعیان اسلام اپنے دور کے بہترین اور متوازن ترین انسان ہوا کرتے ہیں۔ خدا اور بندوں کے حقوق میں توازن رکھنا ایک داعی کو ہی میسر ہے۔

صحیح مبلغ کی پہچان

مذہبی تشدد اور زاویہ نشینی ضرور کچھ لوگوں کے حق میں ایک نفسیاتی عارضہ ہوگی مگر دعوت وتبلیغ پر حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرح چلنے والے اور حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طرح اصرار کرنے والے نہ تو تشدد سے کوئی سروکار رکھتے ہیں اور نہ زاویہ نشینی سے کوئی مطلب۔ یہ معاشرے کے عین گھمسان میں رہنے والے لوگ ہوتے ہیں۔ البتہ یہ فکر اور ثقافت کے معاملے میں بہت خوددار واقع ہوئے ہیں۔ یہ معاشرے سے لینے سے زیادہ معاشرے کو دینے پر یقین رکھتے ہیں۔ یہ معاشرے سے ہی سب کچھ لیں تو پھر وحی کا کیا مصرف رہ جاتا ہے۔

حق کے معاملے میں یہ معاشرے کی طرف نہیں دیکھتے اس کے لیے ان کی نگاہیں بس آسمان کی طرف ہی اٹھتی ہیں (قد نری تقلب وجھک فی السماء) یہ فرق ان میں اور معاشرے کے عام لوگوں میں ضرور ہے۔ حق کے معاملے میں یہ معاشرے سے یا معاشرے کے کسی طبقے سے نہیں خود حق ہی سے متاثر ہوتے ہیں۔ یوں کہیے اس لحاظ سے یہ کسی اور دُنیا کے لوگ ہوتے ہیں۔

عقل وانصاف پسندی مبلغین کا مسلک ہے کہ اسی کی بدولت یہ خدا تک پہنچتے ہیں۔ خودداری، رحم دلی، نرم خوئی، انسان دوستی اور عزت نفس ان میں کوٹ کوٹ کر بھری ہوتی ہے۔ لوگوں میں معقول نظر آنا ان کو واقعتاً اور بے انتہا عزیز ہوتا ہے۔ معقولیت کا یہ معیار وہ ماحول سے یا میڈیا سے یا درسی کتابوں سے نہیں بلکہ اس کے لیے وہ انبیا ورسل علیہم الصلوۃ والسلام سے کسب فیض کرتے ہیں کہ وہی ان کی نظر میں یہ حیثیت رکھتے ہیں کہ انسانیت ان سے اپنے لیے عزت وذلت اور کم تری و برتری کے معیار لے۔ پھر یہ لوگ مدعوئین میں اچھا اور قابل قبول نظر آنے کی خواہش کو اپنی اور بہت سی جائز خواہشات کی طرح ضرورت پڑنے پر اپنے معبود برحق کی خواہش پر قربان کردینے سے بھی دریغ نہیں کرتے کہ اس کا عوض ان کو اس سے بھی عزیز ہے جو کہ معبود برحق کی خوشی ہے اور اُس کی خوشی سے بڑھ کر ان کے لیے دُنیا میں تو کیا آخرت میں کوئی انعام نہیں۔ چنانچہ مسئلہ کسی موقف کی معقولیت کا نہیں اصل مسئلہ یہ ہے کہ کسی موقف کی معقولیت کا تعین کون کرے۔ کیا اللہ اور اس کی کتاب اور اس کا رسول یا پھر معاشرے کے رجحان ساز مولوی اور ماحول کے صورت گر؟

ایک مبلغ اپنے عقل وشعور کی سب سے بڑھ کر قدر کرتا ہے کیونکہ وہ اپنی عقل اور خرد انسانوں کی اس محدود تعداد کے یہاں گروی رکھ آنے پر تیار نہیں ہوتا جن کے یہاں سے پورے معاشرے کے لیے رواج اور رجحانات صادر ہوتے ہیں۔ لوگوں کے یہاں معقولیت کا معیار یہ ہے کہ وہی کریں جو معاشرے کی فکری قیادت ان سے کروانا

چاہے اور ویسے ہی سوچیں جیسے سوچنا قوم کی اعلیٰ کلاس ان کے لیے مقرر ٹھہرا دے۔ کسی چیز، کسی رویے، کسی عقیدے یا کسی طریقے کے بارے میں جو تاثر قوم کے اعلیٰ طبقوں میں قائم ہو جائے وہی تاثر اس چیز یا اس رویے یا اس عقیدے یا اس طریقے کی بابت حقائق کا درجہ رکھنے لگتا ہے بلکہ مسلمات کا رتبہ پا لیتا ہے۔ اس کے نتیجے میں پورے معاشرے کی سوچ اس تھوڑی تعداد کے زیر قبضہ ہو جاتی ہے اور ایک میکانکی انداز میں پوری قوم کے خیالات اور تصورات اسی تھوڑی تعداد کے انداز فکر کا چربہ بن جاتے ہیں۔ یہاں تک کہ لوگ دوسروں کی عقل سے سوچنا اور دوسروں کے انداز فکر سے استدلال کرنا فخر کی بات جانتے ہیں۔ نہ صرف یہ بلکہ جو اپنی عقل کسی دوسرے کے پاس یوں گروی نہ رکھے اسے کم عقل اور پسماندہ بھی جانتے ہیں۔ پھر ایک مبلغ جب اس صورت حال کو چیلنج کرتا ہے، اقول ما قال الناس کا مسلک چھوڑنے کا مطالبہ کرتا ہے اور معاشرے میں قائم تاثرات و رجحانات کا پردہ ہٹا کر حقائق کو سورج کی روشنی میں دیکھنے اور دکھانے پر اصرار کرتا ہے تو لوگوں کو وہ ایک انہونی مخلوق لگتا ہے۔

معاشرے کی اصطلاحات اور نفسیات کے پیچھے ہمیشہ چند ہی لوگ بول رہے ہوتے ہیں اور عام لوگ تو حتی کہ پڑے لکھے بھی محض رٹی رٹائی باتیں دہراتے ہیں۔ اس امر کا پردہ محض ایک مبلغ چاک کرتا ہے مگر اس مسئلے کی سنگینی یہیں ختم نہیں ہو جاتی۔ کسی قوم میں اشیا کی بابت جو تاثرات قائم کر دیے جاتے ہیں اور دین اور دنیا کے امور کو دیکھنے اور جانچنے کے لیے جو زاویہ ہائے نگاہ متعین کر دیے جاتے ہیں۔ ان تاثرات اور رجحانات کا ایک زبردست تقدس بھی ساتھ قائم نہ کیا جائے تو لوگوں کے دل و دماغ انسانوں کی اس محدود تعداد کے قبضے میں پوری طرح آ جانے پر آمادہ نہیں ہوتے اور کوئی بھی چھوٹا موٹا دھچکا صورت حال کو بدل سکتا ہے اس لیے یہ نہایت ضروری سمجھا جاتا ہے کہ رواج سے بغاوت اور عرف عام سے نکل جانے کا ذہنوں میں ساتھ ہی ایک ہوا کھڑا کر دیا جائے اور یوں معاشرے کی ڈگر سے ہٹ کر سوچنا خود بخود ایک ناروا اور باغیانہ بلکہ جاہلانہ حرکت باور ہو۔

جس کو یہ معاشرہ خودسری کہتا ہے اگر عقل اور خرد پر قائم ہے اور وحی کی اتباع ہے تو وہ خودسری نہیں عین خودداری ہے۔ اگر یہ کوئی بغاوت ہے تو ہرگز بے جا نہیں۔ یہ اگر کچھ پس پردہ ہستیوں کے فکری اور تہذیبی اقتدار سے خروج ہے تو ایک اعلیٰ ہستی کی اطاعت بھی ہے۔ یہ انسان کی عظمت ہے، بے شک معاشرہ اسے اس بات پر داد نہ دے اور اگر چہ معاشرہ اسے اس بات پر از کار رفتہ انسان جانے یا اس کے اس رویے کو اساطیر الاولین سمجھے۔ ایک چیز اگر قوم کے اعلیٰ طبقے میں ستائش نہیں پاتی مگر وہ خدا کے یہاں سے نازل ہوئی ہے اور رسولوں نے اس بات کی تعلیم دے رکھی ہے تو وہ پورے معاشرے سے اور معاشرے کی رجحان ساز قیادت سے برتر اور مقدس ہے۔ اتباع اس کی ہونی چاہیے نہ کہ معاشرے کی یا معاشرے میں مقبول کسی فکری فیشن کی۔

ایک چیز کے لیے معاشرے میں کیا اصطلاح رائج ہے، حق کی کسی بات پر کسی خاص طبقے کے یہاں کیا فقرہ چست کیا جاتا ہے، اسلام میں ثابت شدہ ایک حقیقت کو کسی خاص حلقے میں کس نظر سے دیکھا جاتا ہے، اللہ کے نازل کیے ہوئے کسی حکم یا کسی عقیدے کی بابت ذرائع ابلاغ میں کیا تاثر قائم ہے یا شریعت کی کسی بات کو اپنے یہاں کے اعلیٰ تعلیم یافتہ کس طرح لیں گے اور کتنے تعجب سے دیکھیں گے۔ ان سب مسائل پر ایک مبلغ کے پریشان ہونے کی بات سرے سے ہے نہیں۔ اس کے توجہ کرنے کی اصل بات یہ ہے کہ کسی معاملے میں خدا نے کیا کہا ہے اور اس کے رسول نے کیا کہا ہے۔ عقلِ سلیم جب حق کے لیے پیاسی ہو تو اس کی پیاس صرف اللہ اور اس کے رسول کی بات سے بجھتی ہے کہ یہی دانائی کا اصل منبع ہے اور اس سے متصادم ہر بات جہالت۔

مذہبی طبقے اپنی ناکامی کے خود ذمے دار ہیں

مذہبی طبقوں نے اپنا نقصان کرنے میں یوں تو خود بھی کوئی کمی نہیں چھوڑی مگر مذہبی طبقوں کے بارے میں جاہلیت کے پھیلائے ہوئے بعض تاثرات بھی کسی زہر سے کم نہیں۔ بہت سے زہریلے تاثرات ایسے ہیں جو معاشرے کے عام لوگوں خصوصاً پڑھے لکھوں کی نفسیات میں بہت اندر تک پیوست ہیں اور اب بعض الفاظ اور تعبیرات ان کے لیے کچھ ایسی ڈراونی صورت اختیار کر گئی ہیں کہ وہ دین کے بعض جلی حقائق کو دیکھنے اور پڑھنے تک کے روادار نہ ہوں۔ مختلف عوامل نے ان کی نظر میں یہ بات شدید حد تک معیوب بنا دی ہے۔ دین کے بعض امور بلکہ بعض مسلمات تک کی بابت معاشرے میں اخبارات کے ذریعے، تقریبات کے ذریعے اور تعلیمی نصابوں کے ذریعے اور دھڑا دھڑ بیانات کے ذریعے لوگوں کا کچھ ایسا رجحان بنا دیا

جاتا ہے کہ لوگ ایک چیز کو دیکھے اور پڑھے بغیر بس دقیانوسی جانیں۔ ایک چیز کے بارے میں ان کا ذہن کچھ اس انداز سے بنا دیا گیا ہے کہ اس پر وہ ایک خودکار اور میکانکی ردعمل کے لیے بلکہ عمل سے پہلے ردعمل کے لیے تیار ہوں۔ لوگ اس چیز کو گویا دیکھنے سے پہلے جانتے اور پڑھنے سے پہلے مسترد کر چکے ہوتے ہیں۔

بہت سے مذہبی طبقے جاہلیت کی اس چال سے واقف نہیں مگر جاہلیت ان کو اپنے اس ڈھنگ پر لے آنے میں واقعتاً یہ تدبیر چلتی ہے اور عموماً اس میں کامیاب رہتی ہے۔ وہ برائیاں جو مذہبی طبقے میں پائی جاتی ہیں پھر بھی اس طریقے سے ختم نہیں ہوتیں کہ معاملے کا علاج بہت اوپر اوپر سے کیا گیا ہوتا ہے اور پھر ان برائیوں مثلاً فرقہ واریت، گروہ بندی، تشدد پسندی، مناظرہ بازی، مذہبی جنونیت، تبادلہ فتویٰ جات، مسلکی محاذ آرائی وغیرہ وغیرہ کا واقعی علاج کر دینا تو خیر مقصد ہی کس کا ہوتا ہے۔ نہ یہ ان مذہبی طبقوں کا اصل ہدف اور نہ قوم کی اشرافیہ کی اصل غایت کہ اس تفرقے سے سب کا کام چلتا ہے البتہ معدودے چند اس سے مستثنیٰ ہوتے ہیں۔ ان مذہبی تنازعات سے نہ صرف کچھ مذہبی پیشہ وروں کا مذہبی اور سیاسی فائدہ ہوتا ہے بلکہ اس کی آڑ میں ہماری اشرافیہ بھی خوب موج کرتی ہے۔ ہماری اشرافیہ کے لیے یہ ایک تیر سے دو شکار کرنے کے مترادف ہے۔ پڑھے لکھوں کے یہاں یہ مذہبی طبقے آپ سے آپ برے بھی پڑے جو کہ اشرافیہ کا ایک بڑا مقصد ہے اور یہ مذہبی طبقے آپس میں گتھم گتھا بھی رہے اور اشرافیہ کے فکری اور ثقافتی اقتدار کے لیے کوئی بڑا چیلنج بھی نہ بن سکے جو کہ اشرافیہ کا ایک اور بڑا مقصد ہے۔ چنانچہ وہ بُرائیاں جو بعض مذہبی طبقوں میں پائی جاتی ہیں اس پروپیگنڈے سے جو ٹی وی ہمارے لیے کر دیتا ہے اور اس لیپا پوتی سے جو ہماری قومی تقریبات میں بڑے اہتمام سے کی جاتی ہے وہ سب بُرائیاں ان مذہبی طبقوں میں پوری طرح پھر بھی باقی رہتی ہیں۔ نہ صرف باقی رہتی ہیں بلکہ یہ اندر ہی اندر اور بھی پلتی ہیں کہ کسی چیز پر مٹی ڈال دینے کا ہمیشہ یہی نتیجہ ہوا کرتا ہے مگر بار بار اوپر سے لیپ کرتے رہنے سے جاہلیت کی معاشرے میں خوب نبھتی ہے۔

جاہلوں کے قیادت کرنے کا سبب

جاہلی قیادتیں آج اسی وجہ سے راج کر رہی ہیں کہ معاشرے میں دین کی بڑی حد تک غلط ترجمانی ہو رہی ہے۔ خود مذہبی طبقے اپنے اوپر سے الزامات دھونے کے شدید ضرورت مند کر دیے گئے ہیں۔ ایک الزام دھونے سے ابھی فارغ نہیں ہوتے کہ دس اور دھر دیے جاتے ہیں۔ ایک عرصے سے مذہبی طبقوں کو ایک ایسی پوزیشن میں کر دیا گیا ہے کہ وہ ویسا نظر آنے کی جیسا ان کو معاشرے کے رجحان ساز دیکھنا چاہتے ہیں، پوری کوشش کریں مگر پھر بھی بات بنتی نہ بنے اور اصل اور نقل میں فرق پھر بھی باقی رہے۔ جس چیز کی ترجمانی آج معاشرے میں ایک بڑی سطح پر ہو رہی ہے وہ دین سے زیادہ مذہب کہلانے کی زیادہ حقدار ہے۔

جاہلوں کی قیادت سے چھٹکارہ کیسے ممکن ہے

دین کی معاشرے میں اگر صحیح ترجمانی ہونے لگے اور دین کے حقائق کو جیسا کہ وہ اللہ کے یہاں سے نازل ہوئے ہیں ایک علمی وموضوعی طریقے سے اور ایک بے لاگ انداز میں لینے اور سمجھنے سمجھانے کا رجحان اپنا لیا جائے بغیر اس بات کا لحاظ کیے کہ معاشرے میں دین کے کسی مسئلے کی بابت پہلے سے کیا تاثر ہے اور لوگوں میں اس کی بابت کیا رجحان پایا جاتا ہے۔ معاشرے کی اپنی اصطلاحات و تاثرات کو قطعی نظر انداز کرتے ہوئے دین کے حقائق کو اگر کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ سے من وعن لیا جانے لگے اور دین کے حامل لوگ اپنے اندر وہ علمی جرأت، تحقیق و دیانت، حوصلہ وصبر، رواداری اور وسعت ظرف پیدا کر لیں کہ وہ دین کے بنیادی حقائق کو صرف اور صرف دین کے اصل مصادر سے صحابہ وسلف کے انداز میں لینے پہ مصر نظر آئیں اور جذبات اور تعصب کو برطرف رکھتے ہوئے محض علم کی بنیاد پر اپنا اور ایک دوسرے کا نکتۂ نظر درست کرنے کی ایک آزادانہ اور دوستانہ فضا قائم کر لیں اور مخالفت کریں تو صرف اس فریق کو جو دلیل اور حجت کی بجائے محض اپنی منوانے پر بضد ہو تب ضرور فرقہ واریت کی اس لعنت سے جان چھڑائی جا سکتی ہے۔

فرقہ واریت کا خاتمہ ایک علمی اور اصولی انداز فکر اپنانے سے ممکن ہے نہ کہ محض سیاسی بیانات سے اور اختلافات کو زیر زمین لے جانے سے۔ اس بے لاگ علمی جرأت کو اپنانے پر اگر معاشرے کا ایک معتد بہ طبقہ آ جاتا ہے اور یہ طبقہ سب غیر علمی رویوں اور اقول ما قال النـــاس کے مسلک کو مسترد کر دینے پر پوری طرح ڈٹ جاتا ہے اور لوگوں کو حق کی تعلیم دینے کا بیڑا اٹھا لیتا ہے تو اس معاملہ کا حل نکل آتا

ہے جس پر بظاہر سب پریشان ہیں۔ اگر تب بھی کچھ طبقے دین کی غلط اور گروہی اور فرقہ وارانہ اور محدود ترجمانی پر بھی بضد رہیں تو کوئی نقصان کی بات نہیں کہ منحرف طبقوں کے وجود سے ایک نبوت کے عرصے کو چھوڑ کر کبھی کوئی دور بھی خالی نہیں رہا۔

اس علمی انداز کو اپنانے، اس تحقیقی جرأت و دیانت، حوصلہ وصبر اور رواداری کا مسلک اختیار کرنے اور اس وسعتِ ظرف اور تبادلۂ افکار کی ہمت حاصل کرنے کے لیے بے انتہا محنت درکار ہوگی بشرطیکہ اس کام کو محنت کرنے والے انتھک لوگ مل جائیں۔ ایسا ہو جانے سے نہ صرف اس فرقہ واریت سے جان چھوٹے گی بلکہ اس کے نتیجے میں خالص دین کا راستہ معاشرے میں بھی صاف ہو جائے گا۔ اس کے بعد وہ طعنے جو جاہلیت مذہبی طبقوں کو خراب کرنے کے لیے دیا کرتی ہے، آپ اپنی موت مر جائیں گے اور لوگوں کو پورے اعتماد کے ساتھ دینی قیادتوں کی طرف رخ کرنے سے روک دینے کی جاہلیت کے پاس پھر کوئی تدبیر کارگر نہ رہے گی۔ دوسری طرف حق کی قوت جب دینی طبقوں کو یا ان کے ایک معتد بہ طبقے کو متحد کر چکی ہوگی اور خالص اسلام جب ان کی پشت پر ہوگا اور تنازعات کی جڑ جب نیچے سے اکھاڑ پھینکی جا چکی ہوگی اور اسلام کی روشن صورت جب ان کے طرزِ عمل سے عیاں ہوگی تو جاہلیت کو معاشرے میں ان کے راستے سے ہٹنا پڑے گا۔ اسلام اپنی حقیقت کے ساتھ جب معاشرے میں اتر آئے تو پھر جاہلیت کو اسے راستہ دیے بغیر کوئی چارہ نہیں رہتا۔ تب اسلام کے آ جانے اور چھا جانے میں سوائے کچھ محنت، کچھ جدوجہد اور جہاد کے کوئی رکاوٹ باقی نہیں رہتی۔ قرآن شریف میں ہے کہ: اے محبوب: آپ اعلان کر دو کہ حق آیا اور باطل مٹ گیا باطل تو مٹنے ہی والا ہے یہ قرآن جو ہم نازل کر رہے ہیں مومنوں کے لیے تو سراسر شفا اور رحمت ہے مگر ظالموں کے لیے خسارے کے سوا اور کسی چیز میں اضافہ نہیں کرتا۔)

سیاسی اتحاد مسئلے کا حل نہیں ہے

یہ بات یاد رکھی جائے کہ دینی طبقوں کو ایک نئی جہت دیے بغیر معاملہ جاہلیت کے حق میں جوں کا توں باقی رہ سکتا ہے۔ سیاسی اتحاد کا ہو جانا نہ ہونے سے ضرور بہتر ہے مگر یہ مسئلے کا حل نہیں اور اگر وقتی طور پر ہے بھی تو اصل مسئلے کا حل نہیں۔ معاملے کا پائیدار حل یہ ہے جس کے نتیجے میں معاشرے کی کایا پلٹ سکتی ہے کہ اسلام کے حقائق کو ایک علمی دیانت اور تحقیقی صبر وحوصلے کے ساتھ اور ائمہ اہلِ سنت کے منہج کی بنیاد پر لینے اور سمجھنے سمجھانے کا آزادانہ اور دوستانہ ماحول پیدا کیا جائے اور کسی سیاسی رکھ رکھاؤ اور ڈپلومیٹک تکلف کے بغیر حق کو حق اور باطل کو باطل کہنے کا حوصلہ رکھا جائے۔ دوسرے کی سنیے اور اپنی کھل کر کہیے مگر عقیدے کے معاملے کو ہرگز حل کیے بغیر مت چھوڑیے اور سب سے بڑھ کر یہ کہ معاشرے میں رائج فکر کے فیشن اور سوچ کے انداز تو کسی خاطر میں لانا ہی نہیں جانے چاہیے۔

معاشرہ یا معاشرے کی ضروریات اور مفادات یا معاشرے میں پائے جانے والے رجحانات ہمارے دین کے حقائق کا تعین کیوں کریں؟ اپنے دین کے ساتھ جو کہ آسمان سے نازل ہونے والی حقیقت ہے اور زمین پر اس کی تشکیل نہیں ہوتی، ہم یہ ظلم کیوں ہونے دیں؟ پھر جب کہ معاملہ یہ ہو جیسا کہ ہم عرض کر چکے کہ معاشرے میں پائے جانے والے رجحانات و تاثرات دراصل انسانوں کی ایک تھوڑی تعداد کے یہاں سے ہی صادر ہوتے ہیں اور یہ تھوڑی تعداد وہ ہے جو ہرگز اس قابل نہیں کہ آدمی ان کے تقاضوں کو درخورِ اعتنا جانے، چاہے ان کی خواہشات پوری قوم اور پورے معاشرے کی زبان میں کیوں نہ بول رہی ہوں۔ وہ ہمیں جیسے چلانا چاہیں بس معاشرے کے لاؤڈ اسپیکر میں بول دیا کریں ہم اپنے دین کو ویسی ہی زمانے کے مطابق تعبیر دینے میں مگن اور اپنی سب تحقیقات کا رخ اسی سمت میں کر دینے کو تیار ہو جایا کریں؟

مبلغین کی ذمے داری

مبلغین کو یہ پہچاننے میں غلطی نہیں کرنی چاہیے کہ فکر وعمل کے فیشن اور رواج معاشرے میں کہاں سے آتے ہیں اور ان کو اہمیت دینا دراصل کس کو اہمیت دینا ہے۔ اس امر کو کسی صورت نظر انداز نہیں کرنا چاہیے کہ اس وقت معاشرتی رجحانات کے پیچھے دراصل کون بول رہا ہے۔ ماحول اور معاشرے کی تاریں کہاں سے ہلائی جاتی ہیں۔ اس کا پورا ادراک کرنے میں اپنے عقیدے اور اپنے موقف پر پوری طرح ڈٹ کر اپنے زمانے کو خود اس کی اپنی زبان کے اندر سمجھانے میں اور اس معاملے پر کبھی کسی کی بات میں نہ آنے میں اہل دعوت وتبلیغ کبھی ہلکانہ جانیں۔

﴿......﴾

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ

(شخصیت کے چند روشن زاویے)

از: شفیع الرحمٰن

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے خطبات سے چند اقتباسات

☆ لوگو! میں تم ہی میں کا ایک فرد ہوں اس سے زیادہ کچھ نہیں اگر مجھے خلیفۂ رسول اللہ کی بات کو ٹھکرانا پسند نہ ہوتا تو میں ہرگز تمہارے معاملات کی ذمے داری قبول نہ کرتا۔

☆ میرے اوپر تمہارے سلسلے میں کچھ ذمے داریاں عائد ہوتی ہیں جن کا میں تم سے ذکر کرتا ہوں تم مجھ سے ان کا مواخذہ کرتے رہنا۔ میری ذمے داری ہے کہ جو مال میرے پاس آئے وہ حق کے مطابق صرف ہو۔ میری ذمے داری ہے کہ تمہیں موت کے منہ میں نہ ڈالوں۔ میں تمہیں زیادہ عرصے سرحدوں پر تعینات نہ رکھوں اور جب تم جہاد فی سبیل اللہ کے لیے گھروں سے دور ہو تو میں تمہارے گھر والوں کی سرپرستی کروں۔

☆ میں تمہیں بتاتا ہوں کہ میں سرکاری خزانے میں سے اپنے لیے کتنا حلال سمجھتا ہوں میرے لیے سال بھر میں ۲؍ کپڑے لینا حلال ہے ایک جاڑے اور ایک گرمی کے لیے اور حج وعمرہ کے لیے۔ سواری نیز گھر والوں کے لیے وہ خوراک جو قریش کے ایک عام متوسط گھرانے کی ہوتی ہے اس کے بعد میں بھی عام مسلمانوں کی طرح ایک مسلمان ہوں۔

☆ میں نے تم پر سرکاری کارندوں کا تقرر اس لیے نہیں کیا کہ وہ تمہاری عزت وآبرو کے درپے ہوں اور تمہارے اموال غصب کرتے پھریں۔ میں نے انہیں اس لیے مقرر کیا ہے کہ وہ تمہیں تمہارے رب کی کتاب اور تمہارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت سکھائیں۔ اب اگر کسی شخص پر کوئی عامل ظلم کرتا ہے کہ اس کو میری طرف سے اس کی مطلق اجازت نہیں۔ مظلوم کو چاہیے کہ معاملات کو میرے سامنے رکھے تاکہ میں ظالم سے بدلہ لے سکوں۔

امداد وخبرگیری کی ایک نادر مثال

سید القوم خادمھم (یعنی) قوم کا سرداران کا خادم ہوتا ہے۔ ایک مرتبہ خلیفۃ المسلمین سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ حسب دستور رات کو گشت پر تھے کہ آبادی سے باہر ایک کھلے میدان میں جا پہنچے۔ گھاس پھونس کی ایک جھونپڑی نظر آئی۔ کیا دیکھتے ہیں کہ ایک آدمی افسردگی کی حالت میں بیٹھا ہے جب کہ جھونپڑی کے اندر سے عورت کے کراہنے کی آواز آرہی ہے۔ امیر المؤمنین نے اس آدمی کو سلام کرکے پوچھا کہ تم کون ہو اور اس صحرا میں کیوں ٹھہرے ہوئے ہو؟ جس پر اس آدمی نے جواب دیا کہ میں بوریہ نشین ہوں یہاں آیا ہوں کہ امیر المؤمنین کی سخاوت سے متفق ہوں یہ میری بیوی ہے اور دردِ زہ میں مبتلا ہے۔ امیر المؤمنین نے کہا کہ کیا اس کی مدد کے لیے کوئی عورت ہے؟ جواب ملا: نہیں۔ امیر المؤمنین سیدھے اپنے گھر پہنچے اور اپنی زوجۂ محترمہ سیدہ کلثوم بنت سیدنا علی المرتضیٰ عنہا سے فرمایا: ایک کارِ ثواب ہے، کروگی؟ تو آپ کی اہلیہ محترمہ کہنے لگیں: کیا کام ہے۔ فرمایا: ایک غریب الدیار عورت ہے، دردِ زہ میں مبتلا ہے۔ یہ سنتے ہی سیدہ ام کلثوم تیار ہوگئیں۔ خود امیر المؤمنین نے خورد ونوش کا سامان لیا اور اہلیہ کے ساتھ وہاں پہنچ گئے۔ اہلیہ کو اندر خاتون کے پاس بھیج دیا اور خود مسافر کے پاس بیٹھ گئے اور آگ جلا کر کھانا پکانے لگے۔ کچھ دیر بعد اندر سے آواز آئی: امیر المؤمنین! اپنے مسافر بھائی کو مبارک باد دیجیے کہ اللہ نے اس کو بیٹا عطا فرمایا ہے۔ امیر المؤمنین کو اپنے پاس پاکر مسافر کے پاؤں سے زمین سرک گئی اور حیران ہوگیا مگر سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے اسے تسلی دی اور کھانے کی دیگچی کو اہلیہ کے حوالے کردیا۔ فراغت کے بعد واپس روانہ ہوئے اور وظیفہ مقرر کردیا کیوں کہ اسلام ایک فلاحی معاشرہ تشکیل دے کر انسانیت کی خدمت کو عبادت کا درجہ دیتا ہے۔

سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کا قبول اسلام

حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جب اعلان نبوت فرمایا تو خطاب کے بیٹے عمر بھی اسلام کی مخالفت میں کسی سے پیچھے نہیں تھے۔ اسلام دشمن سرگرمیوں میں شدت آتی جارہی تھی۔ صحابۂ کرام ظلم وتشدد

کا نشانہ بنائے گئے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو صادق اور امین کہنے والے مشرکینِ مکہ نے مخالفت، کردارکشی اور ظلم و ستم کا بازار گرم کر دیا اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو قتل کرنے کے درپے ہو گئے۔ ابو جہل نے تمام سرداروں کے مشورہ سے آپ کے ذمے یہ کام لگایا۔ عمر رضی اللہ عنہ نعوذ باللہ قتل رسول اللہ کے ارادے سے ننگی تلوار ہاتھ میں لے کر روانہ ہوئے مگر راستے میں بہن اور بہنوی کے مسلمان ہونے کی خبر ملتے ہی بہن کے گھر گئے اور اسلام قبول کرنے پر انہیں مار مار کر لہولہان کر دیا۔ جب غصہ ٹھنڈا پڑا تو قرآن کی آیات کو پڑھنے کی کوشش کی۔ بہن نے کہا پہلے غسل کریں پھر پڑھیں۔ غسل کر کے آپ نے سورۂ طٰہٰ کا مطالعہ کیا طبیعت میں تبدیلی آ گئی اور حضرت خباب کی معیت میں دارارقم کی طرف روانہ ہوئے۔

اسلام قبول کرنے کی بشارت دیتے ہوئے حضرت سیدنا خباب رضی اللہ عنہ نے بتایا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بیت اللہ کے سامنے غمزدہ حالت میں اللہ تعالیٰ سے دعا فرمائی تھی کہ اے اللہ! عمر بن خطاب اور عمر ابن ہشام (ابو جہل) میں سے جو تیرے یہاں محبوب ہو اس کے ذریعے اسلام کو عزت عطا فرما۔ یہ دعا قبول ہو گئی۔ دارارقم میں اس وقت اکتالیس صحابۂ کرام حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ موجود تھے، دروازے پر دستک دی گئی اور عمر رضی اللہ عنہ کے اندر آنے کی اجازت چاہی گئی۔ اس وقت تک صحابۂ کرام کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اندر آنے والے نظریاتی تغیر کا علم نہ تھا اس لیے سید الشہداء حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ نے دروازہ کھولتے وقت للکارتے ہوئے فرمایا کہ اگر نیک ارادے سے آئے ہو تو ٹھیک ہے اور اگر غلط ارادہ ہوا تو تمہاری تلوار اور تمہاری گردن ہوگی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عمر رضی اللہ عنہ کو کرتے سے پکڑ کر اپنی طرف کھینچا اور ارشاد فرمایا: اے عمر دشمنی سے باز نہیں آؤ گے؟ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سر جھکائے ہمہ تن حاضر خدمت تھے۔ عرض کیا: یارسول اللہ! صلی اللہ علیہ وسلم میں اسی لیے حاضر ہوا ہوں کہ اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لے آؤں اور اشھد ان لا الہ الا وانک رسول اللہ زبان سے ادا کیا تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ انور خوشی سے چمک اٹھا اور فرط محبت سے نعرۂ تکبیر بلند ہوئی۔ دارارقم میں خوشی کی لہر دوڑ گئی۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام مبارک باد دینے کے لیے حاضر خدمت ہوئے کہ آج حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اسلام قبول کرنے پر آسمانوں میں فرشتے خوشیاں منا رہے ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عظمتِ اسلام اور غلبۂ دین کے لیے اللہ سے مانگا تھا اس لیے اس کی ابتدا یوں ہوئی کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: یارسول اللہ! آپ سچے نہیں؟ کیا ہمارا دین سچا نہیں تو پھر ہم چھپ کر اللہ کی عبادت کیوں کریں تو رحیم و کریم آقا حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تمہاری قوم ہمیں کعبۃ اللہ میں نماز نہیں پڑھنے دیتی۔ حضرت عمر نے کہا کہ آج ہم دارارقم میں چھپ کر نہیں بلکہ علی الاعلان خانہ کعبہ میں عبادت کریں گے۔ چنانچہ بیس بیس صحابہ کی دو قطاریں بنائی گئیں ایک قطار کے آگے سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ اور دوسری قطار کے آگے سید الشہداء سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ کمانڈ کر رہے تھے اور سید الکائنات امام الانبیاء خاتم النبین حضرت محمد رسول اللہ مثل ماہتاب بیالس صحابۂ کرام کے جھرمٹ میں تھے۔ یوں مسلمانوں نے بیت اللہ میں حاضر ہو کر اللہ رب العزت کے حضور نماز پڑھنے کی سعادت حاصل کی اور سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے بیت اللہ میں اپنے اسلام قبول کرنے کا اعلان فرمایا جس کی وجہ سے مشرکین مکہ کی حوصلہ شکنی ہوئی اور دعوت و تبلیغ کا کام اعلانیہ شروع ہو گیا۔

موافقاتِ عمر (رضی اللہ عنہ)

سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نابغۂ روزگار شخصیت ہیں کہ بعض معاملات میں اللہ رب العزت نے ان کی رائے یا فیصلے کو قرآن بنا کر نازل فرما دیا۔ بقول مجاہد تابعی رضی اللہ عنہ: حضرت عمر رضی اللہ عنہ ایک بات سوچتے تھے تو فوراً اسی کے مطابق قرآن نازل ہو جاتا تھا۔ علامہ ابن عسا کر رحمہ اللہ تعالیٰ تاریخ کبیر میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ قرآن میں کچھ آرا ہیں جو عمر رضی اللہ عنہ کی آرا سے موافق ہیں۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے کہ صحابہ نے جب کبھی کسی معاملے میں گفتگو اور بحث نہیں کی لیکن اس کے متعلق حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کوئی بات فرمائی تو قرآن کریم بالکل حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ارشاد کے مطابق نازل ہو جاتا۔ بعض اوقات تو ایسا بھی ہوا کہ من وعن وہی الفاظ جو لسانِ عمر سے نکلے وحی بن کر اللہ نے نازل فرما دیے۔ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے ان موافقات کی تعداد محدثین و مفسرین نے پندرہ، بیس اور بعض نے تیس بیان کی ہے جو مختصراً درج ذیل ہیں۔

(بقیہ ص ۲۱ پر)

امام احمد رضا بحیثیت عاشقِ رسول

از: پروفیسر ڈاکٹر ممتاز بھٹو

مرحبا اے عشق خوش سودائے ما
اے دوائے جملہ علتہائے ما

سرزمین ہند کا ذرہ ذرہ گواہ ہے کہ عاشق رسول امام احمد رضا فاضلِ بریلوی قدس سرہ ملتِ طیبہ طاہرہ کے ایک ایسے وفا شعار محبّ صادق تھے کہ انہوں نے فخر دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے عشق و وارفتگی ہی کو اصل الاصول قرار دے کر زندگی کا لمحہ لمحہ یادِ محبوب میں قربان کر دیا اور اضطرابِ دل بڑھا تو حکیم وطبیب ان کے زخمِ جگر کا علاج کیا کرتے کہ سوز دروں اور آہِ گرم سے ایسا دھواں اٹھا جس میں حرارتِ عشق سے بوئے کباب آنے لگی۔

تونے تو کر دیا طبیب آتشِ سینہ کا علاج
آج کے دود آہ میں بوئے کباب آئے کیوں

اور حبیب کبریا علیہ التحیۃ والثناء کے ذکر وفکر میں آنسوؤں کی ایسی جھڑی لگی کہ اس میں خونِ جگر کی آمیزش نظر آنے لگی۔

دل کھول کے خوں رو لے غمِ عارضِ شہ میں
نکلے تو کہیں حسرتِ خوں نابہ شدن پھول

داغ دل جب مہرِ نیم روز کی طرح چمک اُٹھا تو اس کی شعاعوں کو یاقوت مرجان سے زیادہ قیمتی سمجھنے لگے اور اس درِ محبت پہ اتراتے ہوئے بے تابی شوق میں پکار اُٹھے۔

جان ہے عشق مصطفیٰ، روز فزوں کرے خدا
جس کو ہو درد کا مزہ، نازِ دوا اُٹھائے کیوں؟

عاشقِ مصطفیٰ کے وجد وشوق اور ذوقِ فدائیت کا یہ عالم ہے کہ جس سر میں رسولِ ہاشمی صلی اللہ علیہ وسلم کا سودا نہ سمایا ہوا اور جو دل ان کی یاد سے خالی ہے، آپ کی نظر میں اس کی کوئی قیمت ہی نہیں۔

دل ہے وہ دل جو تری یاد سے معمور رہا
سر ہے وہ سر جو ترے قدموں پہ قربان گیا

اور دیارِ حبیب کی کشش ہے کہ کشاں کشاں ان کے جان ودل اور ہوش وخرد ہر ایک کو محبوب کردگار کے قدموں پہ ڈال دیتی ہے۔

جان ودل ہوش وخرد سب تو مدینے پہنچے
تم نہیں چلتے رضؔا سارا تو سامان گیا

خطیرۃ القدس کی زیارت کو پہنچتے ہیں تو تنہا نہیں بلکہ اس سفر شوق میں ساری کائنات کو شریکِ سفر بنانے کا جذبۂ بے کراں چشمۂ سیال کی طرح ان کے ایک ایک لفظ سے امنڈتا ہوا دعوتِ عام دیتا نظر آتا ہے۔

حاجیو! آؤ شہنشاہ کا روضہ دیکھو
کعبہ تو دیکھ چکے، کعبے کا کعبہ دیکھو

اور نبضِ حیات ڈوبنے کے بعد بھی انہوں نے اپنے نگار خانۂ دل میں ایسی روشن اور درخشندہ وتابندہ شمع فروزاں کر رکھی ہے کہ اس معراجِ عشاق پر کونین کی ساری عظمتیں قربان ہو جائیں۔

لحد میں عشقِ رخِ شہ کا داغ لے کے چلے
اندھیری رات سونی تھی، چراغ لے کے چلے

ان کے دل دیوانہ کی آخری تمنا بھی کتنی حسین اور قابلِ صد رشک ہے۔

یا الٰہی جب رضؔا خوابِ گراں سے سر اٹھائے
دولتِ بیدار عشق مصطفیٰ کا ساتھ ہو

واللہ! اس جذب ومستی، سرشاری ووارفتگی پر تو یہ سارا عالم ہی نہیں بلکہ کروڑوں جہان قربان کیے جا سکتے ہیں۔ کتنا والہانہ انداز اور ایمان افروز دیوانگی ہے۔ یہ شیفتگی ونیاز کیشی اور ذوقِ فدائیت اپنے پورے شباب پر ہے۔

حشر میں کیا کیا مزے وارفتگی کے لوں رضا
لوٹ جاؤں پا کے وہ دامانِ عالی ہاتھ میں

رب قادر وقیوم اس قلبِ مضطر پر صبح وشام اپنی رحمت وغفران کی موسلا دھار بارش برسائے جو عشقِ محمدی کے سوز وساز میں مدت العمر آتش بحر کی طرح سلگتا رہا اور داغ ہائے عشق احمدی کی تجلیات سے

جس کا مرقدِ مبارک آج بھی روشن ومنور ہے اورابد الآباد تک اس عاشقِ رسول کی کتابِ زندگی سے سینۂ مومن کوعشق ومحبت رسول کی گراں مایہ سوغات ملتی رہے گی۔رحمۃ اللہ علیہ ع

خدارحمت کنداں عاشقانِ پاک طینت را

عاشق رسول کے فیض صحبت کا یہ عالم تھا کہ ان کے بوستانِ عشق ووفا کا ہرخوشہ چیں اپنے قلب میں ایسا کیف وسرورمحسوس کرتا جس کی لذت روح تومحسوس کرسکتی ہے مگر الفاظ ومعنی اس کا ساتھ نہیں دے سکتے۔اور سچ ہی کہا ہے کسی کہنے والے نے۔

روشن مشک ختن ہے بوئے بوستانِ رضا

رشک طوبیٰ ہر اک نخلِ گلستانِ رضا

سلطانِ عشق کی ایک نگاہِ کیمیا اثر جب ان کے دریوزہ گروں پر پڑ جاتی تو جمالِ محبوب خدا کی دلربائی کا نقشہ دل ودماغ کے ایک ایک رگ وریشہ میں اس طرح رچ بس جاتا کہ کسی پہلوانہیں چین نہ لینے دیتا اور زبانِ حال سے شمع سحر کی زبانِ سوختہ بھی پکار اُٹھتی کہ چشمِ بصیرت ہوتو دیکھو کہ حقیقت میں یہی دیوانگانِ میخانۂ حجاز اور یہی عاشقانِ سوختہ رونقِ بزم کون ومکاں ہیں۔

ملیح عربی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بارگاہ میں ان کا ہرزخم جگرایک نمک دان ہونے کی فریاد کرتا ہے۔ جو آہ وفغاں اور نالہ وشیون نہیں کرتے بلکہ صبر وشکیب کا دامن تھام کر اس دولت عشق پر یوں ناز کرتے ہیں۔

دل بستہ بے قرار جگر چاک اشک بار

غنچہ ہوں،گل ہوں، برق تپاں ہوں،سحاب ہوں

خرمنِ علم وفضل کے خوشہ چینوں اور مےکدۂ عشق وعرفان کے مےکشوں کے اندر آپ بادۂ عشق رسول کی حرارتیں اس طرح منتقل کرتے رہے کہ ان کی روح بھی تروتازہ اور شاداب ہوگئی اور ان کا سینہ ایسا صاف وشفاف ہوا کہ عظمتِ رسول علیہ التحیۃ والثناء کا مدینہ بن گیا۔ چنانچہ مولانا ظفرالدین بہاری علیہ الرحمہ لکھتے ہیں:

حضرت (مولاناوصی احمد) محدث صاحب سورتی اوراعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کے تعلقات کو دیکھ کر ایک بارحضرت محدث صاحب کے آخری تلمیذ مولانا سیدمحمد صاحب اشرفی کچھوچھوی نے پوچھا کہ آپ کو شرف بیعت حضرت مولانا شاہ فضل الرحمٰن صاحب گنج مراد آبادی رحمۃ اللہ علیہ سے حاصل ہے لیکن میں دیکھتا ہوں کہ آپ کا شوق جو اعلیٰ حضرت سے ہے وہ کسی سے نہیں۔اعلیٰ حضرت کی یاد ان کا تذکرہ ان کے فضل وکمال کا خطبہ آپ کی زندگی کے لیے روح کا مقام رکھتا ہے۔اس کی کیا وجہ ہے؟ فرمایا: سب سے بڑی دولت وہ علم نہیں ہے جو میں نے مولوی اسحاق صاحب محشی بخاری سے پائی اور وہ بیعت نہیں ہے جو گنج مراد آباد میں نصیب ہوئی بلکہ وہ ایمان جو مدارِ نجات ہے، میں نے صرف اعلیٰ حضرت سے پایا۔ میرے سینے میں پوری عظمت کے ساتھ مدینے کو بسانے والے اعلیٰ حضرت ہیں اس لیے ان کے تذکرے سے میری روح میں بالیدگی پیدا ہوتی ہے اور ان کے ایک ایک کلمے کو میں اپنے لیے مشعل ہدایت جانتا ہوں۔

علم یقیناً ایک بڑی دولت ہے جو اصحابِ علم کو فکر ونظر اور بصیرت وبصارت سے نوازتی ہے اور بیعت وارشاد بھی صفائی باطن کا اعلیٰ ترین ذریعہ ہے جس سے قلب ونگاہ دونوں کو بیک وقت طہارت وپاکیزگی نصیب ہوتی ہے اور اس سے خلقِ خدا کی روحانی تشنگی سیراب ہوتی ہے لیکن نغمۂ عشق رسول کے جذب وکشش اور اس کی قوت تاثیر کا کیا پوچھنا کہ وجدان عش عش کر اٹھتا ہے اور اس نوائے لاہوتی سے مردِ مومن کی روح جھوم جھوم اٹھتی ہے۔

استاذ العلماء مولانا یارمحمد صاحب بندیالوی رحمۃ اللہ علیہ کے سوانح نگار نے عاشق مصطفیٰ اور ان کے دیار عشق ووفا کا تذکرہ کس والہانہ انداز میں کیا ہے:

آپ کی طبیعت میں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی والہانہ لگن بس رہی تھی اور عشق مدینہ کی جومستی دل ودماغ پر چھائی ہوئی تھی۔اس کا وہی اثر تھا کہ آپ نے تحصیل علم کے دوران ایسے اساتذہ کو چُنا جن کا جسم ہند میں تھا اور روح روضۂ انور کی جاروب کشی کرتی تھی۔آپ کو جہاں کہیں بھی کسی محبّ رسول عالم دین کی خبر پہنچتی،آپ وہیں جا پہنچتے۔

بریلی شریف میں جومحبت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا گلستان کھلا ہوا تھا جہاں عشق نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے گلاب مہکتے تھے۔ مدحت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے گلدستے سجائے جاتے تھے۔فضاؤں میں منقبت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے نغمے گونجتے تھے جب اس باغ کی خوشبوئیں آپ کے دماغ تک پہنچیں تو دلِ بےتاب ٹھہر نہ سکا،روح مضطرب ہوگئی۔آپ بے اختیار اس کوچے میں پہنچے جہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نام پر مرمٹنے کا درس دیا جاتا تھا، نگاہوں سے دلوں میں عشقِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی تجلیاں بھری جاتی تھیں، بریلی

کے در و دیوار سے وارفتگی رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی خوشبو آتی تھی، آپ وہاں بصد ادب و نیاز پہنچتے اور اس کے در پر حاضر ہوتے جس کا سینہ سوز و گداز اویس قرنی کا پرتو تھا۔ آنکھوں میں جامی کی التجاؤں کا انداز تھا۔ دل میں صدیق کی تڑپ کی جھلک تھی، ماتھے کی وسعت پر رازی کا گمان ہوتا تھا۔ چہرے کی سادگی سے رومی کا جاہ و جلال ٹپکتا تھا۔ غرض اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ کی شخصیت کیا تھی، یوں معلوم ہوتا تھا کہ گزرے ہوئے عشاق کی پریشان ادائیں ایک جگہ مجتمع ہوگئی ہیں۔

سارے جہاں میں دھوم تھی کہ بریلی کی سرزمین عشق و عرفان کی راجدھانی ہے جہاں محبت کے چشمے ابلتے ہیں جس کے آبِ زلال سے روحِ ایمان سیراب اور گلشنِ دین تر و تازہ ہوا اُٹھتا ہے اور جس کے شاداب گلابوں کی خوشبو اوران کی رعنائی و برنائی سے ہندوستان کا ایک ایک خطہ رشکِ فردوس بن گیا ہے۔

شوال ۱۳۵۲ھ مطابق جنوری ۱۹۳۴ء میں علمائے اہل سنت اور علمائے دیوبند کے درمیان مسئلۂ غیب کے سلسلے میں مسجد وزیر خان لاہور میں ایک مناظرہ ہونا طے پایا تھا جو فریقِ مخالف کی شاطرانہ چالوں کی نذر ہوگیا۔ اس کی رپورٹ کا ایک حصہ پروفیسر محمد علی ایم اے بی ایس ریٹائرڈ لاہور کے قلم سے ملاحظہ فرمائیں:

اسی دوران حاجی شمس الدین مرحوم جو حضرت مولانا سید دیدار علی شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے مخلص عقیدت مندوں میں تھے، ایک روز علامہ اقبال مرحوم کو لے کر صدر دفتر حزب الاحناف (لاہور) میں آئے۔ اس وقت وہاں پر مولانا حامد رضا خاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ (خلفِ اکبر فاضل بریلوی) اور دیگر حضرات بھی موجود تھے۔ علامہ اقبال کے سامنے حضرت مولانا سید دیدار علی شاہ قدس سرہ (خلیفۂ فاضل بریلوی) نے ان مسائل متنازعہ پر ایسی واضح مدلل تقریر فرمائی کہ تمام مجمع ششدر رہ گیا اور علامہ اقبال بے تاب ہوکر رونے لگے اور اس قدر روئے کہ گھگی بن گئی۔ جب مجلس برخواست ہوئی تو علامہ (اقبال) مرحوم نے نہایت ارادت اور پوری گرم جوشی کے ساتھ حضرت مولانا دیدار علی رحمۃ اللہ علیہ کی تعریف و توصیف کی اور آپ کی شانِ والا میں یہ نا قابلِ فراموش الفاظ بیان کیے۔

''ایسا عاشق رسول مقبول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تو دیکھنے میں نہیں آیا''۔

عاشقِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم حضرت فاضل بریلوی کے خلفا و تلامذہ بھی ان کے مکتبِ عشق سے نکلے تو اکنافِ ہند میں پھیل کر اس نرالی اور انوکھی تعلیم کا اس طرح چرچا کیا کہ دلوں کا عالم زیروزبر ہونے لگا، روح وجد کر اُٹھی، مسلم آبادیوں میں عشقِ مصطفیٰ کے پرچم لہرانے لگے اور تقدیس رسالت کی ایسی تحریک چلائی کہ عظمتِ مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثناء کی طرف مبغوض نگاہیں اُٹھانے والے خود اپنی ہی نظر میں ذلیل وخوار ہوگئے۔

اس مسلم معاشرے میں انہیں نفرت وحقارت کی نگاہ سے دیکھا جانے لگا۔ دیوانگانِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم سود و زیاں سے بے نیاز ہوکر پیغامِ عشق کو عام و تام کرتے رہے جس سے دیدہ و دل ان کے لیے فرشِ راہ ہوگئے اور ہر طرف ملی جلی آواز ابھرنے لگی: ایسا عاشق رسول مقبول (صلی اللہ علیہ وسلم) تو دیکھنے میں نہیں آیا''۔

اب کچھ بزرگ شخصیتوں کے تاثرات بھی ملاحظہ فرمائیں جو خود اسی کیفیت عشق میں سرشار ہیں۔ شیخِ طریقت حضرت خواجہ قمر الدین سیالوی ارشاد فرماتے ہیں:

میں مولانا احمد رضا خاں بریلوی کی خاکِ پا کے برابر بھی نہیں کیوں کہ فقیر کے عقیدے میں مذہب کی بنیاد عشقِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر ہے اور عشقِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی بنیاد ادب پر ہے۔ مولانا بریلوی کو ذات رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے بے پناہ عشق تھا۔

حضرت مولانا مفتی سید حامد علی جلالی دہلوی تحریر فرماتے ہیں:

وہ (فاضل بریلوی) فنا فی عشق رسول کریم تھے۔ اپنے محبوب کی شان میں ادنیٰ گستاخی بھی برداشت نہ کرسکتے تھے۔ اگر ان کے عشق کے سمندر کا ایک قطرہ بھی میسر ہوتا تو ہم اسے عین حقیقت اور الفت، مودّت کہتے، قدس سرہ۔

ضیاء المشائخ حضرت محمد ابراہیم فاروقی مجددی شور بازار، کابل، افغانستان کا ایمان افروز تاثر ہے:

مولانا احمد رضا خاں قادری حضرت خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے عاشق اور آلِ حضور کی محبت میں سرشار تھے۔ ان کا دل عشقِ محمدی کے سوز سے لبریز تھا۔ چنانچہ ان کے نعتیہ کلام اور نغمات اس حقیقت پر شاہد عدل ہیں۔ مولانا کے اس کلام نے مسلمان مردوں اور عورتوں کے دلوں کو عشقِ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے مقدس نور سے روشن کردیا ہے۔

حضرت صاحبزادہ ہارون الرشید، دربارِ عالیہ، موہڑہ شریف آپ کے ہر قول اور ہر فعل کے بارے میں یعنی اس عاشق کے لیے بیان فرماتے ہیں: **(بقیہ ص ۱۱ پر)**

امت کا درد

دوسروں کی خامیوں پرنظر رکھنے کی بجائے ان کی خوبیوں پرنظر رکھیے

پیش کش: نجیب اللہ نجمی

اپنی ذات اور اہل وعیال کا درد رکھنے والے بے شمار ہیں، مال ومنال کی خاطر خون بہانے اور منصب واقتدار کی طلب میں آہیں بھرنے والوں کی بھی کمی نہیں۔ مبارک ہیں وہ تھوڑے سے لوگ جو دل میں اُمت کا درد لیے پھرتے ہیں۔ یہ درد، سراپا درد سرورود وعالم صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کے سینوں میں منتقل ہوا ہے۔ مکہ کے بازاروں میں آپ کا داعیانہ گشت، آخرِ شب میں بارانِ گریہ وبکا، واردین وصادرین میں نشست وبرخاست، طائف کا سفر، منبر ومحراب سے صدائے حق، پہاڑی کا وعظ، حجۃ الوداع کا خطبہ اور بدر واُحد کے معرکے، یہ سب آپ کے اس دردِ پنہاں کے چند مناظر ہیں جسے دیکھ کر رب العالمین نے فرمایا تھا: ''لگتا ہے اگر یہ ایمان نہ لائے تو آپ اپنی جان ہی کو ہلاکت میں ڈال لیں گے۔'' یہ درد حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی طرف اور صحابہ سے اکناف عالم میں بے شمار انسانوں کی طرف منتقل ہوا۔ متحدہ ہندوستان میں بھی درد کی یہ میراث تقسیم ہوئی اور خوش نصیبوں کو بقدرِ ظرف اس میں سے حصہ ملا۔ حضرت شاہ ولی اللہ اور ان کے نامی گرامی صاحبزادے ہوں یا حضرت مجدد الف ثانی، حضرت خواجہ غریب نواز، اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی، حضور مفتی اعظم ہند، حضور حافظ ملت رحمہم اللہ تعالیٰ اور ان جیسے دوسرے علمائے حق۔ یہ سب اسی درد کے وارث تھے ان میں سے کسی نے تدریس وافتا کا منصب سنبھالا، کسی نے قلمی ودعوتی جہاد میں قدم جمائے، کسی نے خانقاہ کو زینت بخشی، کسی نے سیاست دانوں کو سیاست کے رموز واسرار سمجھائے، کوئی ارتداد کے سامنے مضبوط ڈھال بن کر کھڑا ہو گیا۔ کسی نے دعوت وتبلیغ کو ایسی تحریک بنا دیا کہ لاکھوں انسانوں نے اس تحریک کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنا لیا۔ ان حضرات نے اپنی خداداد صلاحیتوں، اپنے عبقری دماغوں اور روحانی قویٰ سے کام لے کر انفرادی طور پر اتنا کام کیا کہ بہت سے ادارے اور جماعتیں اکٹھے مل کر بھی نہیں کر سکتے تھے۔ ان حضرات کے اخلاص اور سوزِ دروں نے کفر وشرک کی تند وتیز ہواؤں میں بھی اسلام کے چراغ کو روشن رکھا۔ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کا تعلق بھی اسی حق پرست گروہ سے تھا جو اُمت کے درد سے سرشار تھا۔ افغانستان کے علاقے سے آپ کا خاندانی تعلق تھا آپ نے دینی درد اور اُمت مسلمہ کا درد رکھنے والوں کی ایک مضبوط ٹیم تیار کر دی۔ آپ نے قرآنی تعلیم اور عشق مصطفوی کو عام کرنے کے لیے کئی سو کتابیں لکھیں اور لوگوں کو اسلام کی حقیقی راہ کی طرف بلایا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کے دل میں تبلیغی ودعوتی کام کی اہمیت کچھ اس طرح ڈالی کہ آپ اسی کے لیے وقف ہو کر رہ گئے۔ اُمت کی بدحالی، زوال، جہالت، بدعملی اور دین سے دوری دیکھ کر ان کا دل جلتا تھا اور اسلام کی کسمپرسی دیکھ کر وہ ماہیِ بے آب کی طرح تڑپتے تھے۔ انہیں نہ رات کو چین آتا تھا نہ دن کو سکون ملتا تھا۔ کبھی کبھی دین کے اس درد اور اس کی فکر میں بستر پر کروٹیں بدلتے اور بے چینی بڑھتی تو قلم کا سہارا لیتے۔ ان کی زندگی کی ساری دلچسپیاں تبلیغی کام میں سمٹ کر رہ گئی تھیں حتیٰ کہ اس راہ میں قربان کر دینا اپنے لیے بڑی سعادت سمجھتے تھے۔

یہ امام احمد رضا قادری بریلوی کے درد واخلاص ہی کا نتیجہ تھا کہ وہ کام جو انہوں نے بریلی سے شروع کیا تھا ان کی زندگی ہی میں نہ صرف پورے ہندوستان میں پھیل گیا بلکہ حجاز، شام اور بحرین اور مختلف یورپی ممالک وغیرہ میں بھی اس کام کی دعوت دی گئی اور اب تو حال یہ ہے کہ اگر بالفرض ساتوں براعظموں اور سارے ممالک کا جائزہ لیا جائے تو ہر براعظم میں بیک وقت ان کے ماننے والے اور ان کے تبلیغی ودعوتی کام کو آگے بڑھانے والے مصروفِ عمل دکھائی دیں گے۔ یہ وہ مقدس جماعت ہے جس کی بنیاد درد پر رکھی گئی ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ جس کے دل میں درد ہوتا ہے وہ اپنا مال، اپنی جان اور اپنا وقت لے کر نکلتا ہے اور دنیا کے ایک کونے سے دوسرے کونے تک جا پہنچتا ہے۔ ان سے کسب فیض کرنے والے کروڑوں لوگ ہیں اور بہت سی

تبلیغی ودعوتی جماعتیں ہیں جو چلتے پھرتے مدرسوں کی بھی حیثیت رکھتی ہیں اور ایک چھوٹی سی خانقاہ کی بھی۔ عام مسلمانوں میں عشق نبوی کا اجالا بکھیرنے، ان کی اصلاح کرنے، انہیں نماز، روزہ اور حج وزکوۃ کی تعلیم دینے میں امام احمد رضا کے ماننے والوں نے قابل قدر کام کیا ہے۔

بے شمار فساق وفجار، شرابیوں، زانیوں، چوروں، ڈاکوؤں، گلوکاروں اور فنکاروں کی زندگیاں اس کام میں لگنے کے بعد بدل گئیں بلکہ اس سے بھی بڑھ کر وہ دوسروں کی زندگیاں بدلنے کے لیے فکر مند ہوگئے۔ عام لوگ جب شو بزنس سے تعلق رکھنے والوں کو دین کی دعوت میں سرگرداں پاتے ہیں تو متاثر ہوئے بغیر نہیں رہتے۔

اس دنیا میں کون سا فرد اور کون سی جماعت ہے جو معصومیت کا دعویٰ کرسکے۔ یوں بھی دوسروں کی اصلاح کا درد رکھنے والوں کو سب سے زیادہ اپنی اور اپنے متعلقین کی اصلاح کی فکر لازم ہے۔ یقیناً ان وابستگانِ جماعت میں بھی کمزوریاں ہوں گی مگر خوبیاں غالب ہیں۔ بسا اوقات ہوتا یہ ہے کہ انفرادی غلطیوں، کوتاہیوں اور کج خامیوں کو جماعت اور ادارے کے پلڑے میں ڈال دیا جاتا ہے ایسا کرنا ہرگز قرین انصاف نہیں۔ افراد کے ذاتی اعمال واخلاق اور جماعت کے طے شدہ اہداف میں فرق کرنا ضروری ہے۔ کسی بھی جماعت سے تعلق رکھنے والوں پر لازم ہے کہ وہ اپنے ذاتی خیالات کو جماعت کے منشور کے رنگ میں پیش نہ کریں اور ایسی حرکات سے اجتناب کریں جن سے جماعت کا دامن داغدار ہوتا ہو۔ بحالاتِ موجودہ اُمت مسلمہ آسمانی وزمینی حوادث کی زد میں ہے اس کی عملی، اخلاقی، معاشرتی، فوجی اور سیاسی حالت بھی ناگفتہ بہ ہے۔ اس پس منظر میں وہ تمام حضرات ہدیۂ تبریک ودعا کے مستحق ہیں جو کسی بھی محاذ پر اُمت کے زوال کو کمال میں بدلنے کے لیے کوشاں ہیں اور جن کے سینوں میں اُمت کے درد کا شعلہ فروزاں ہے۔ خواہ وہ اربابِ مدارس اور مبلغین ہوں یا صحافی اور اربابِ قلم ودانش وران۔ درد کی دولت تقسیم کرنے والے صوفی ہوں یا زخموں پر مرہم رکھنے والے سماجی کارکن اور رفاہی ادارے۔ کم فہم ہیں وہ لوگ جو کسی ایک شعبے سے وابستہ ہونے کی وجہ سے دوسرے شعبوں کی نفی کرتے ہیں۔

(ماخوذ: ڈبلیوڈبلیوڈبلیوڈاٹ ایقاظ ڈاٹ کام)

﴿.......﴾

(صفحہ ۳۴ کا بقیہ)

پروفیسر طاہر القادری کا دوسرا بڑا اجتہاد انہیں قرآن حکیم کے مقابلے میں کھڑا کردیتا ہے اور وہ علانیہ اپنے اس مخالفِ قرآن ''اجتہاد'' کا اظہار کرتے ہیں ''کہ ایک عورت کی گواہی ایک مرد کے برابر ہوتی ہے''۔ پروفیسر طاہر القادری نے اپنے اس اجتہاد میں کتاب وسنت کی صریح خلاف ورزی کی اور ائمۂ اربعہ امام اعظم ابوحنیفہ وامام شافعی وامام مالک وامام احمد بن حنبل کے متفق علیہ مسلک وموقف کو نظر انداز ہی نہیں بلکہ پامال کرکے رکھ دیا ہے اور سَوادِ اعظم اہلِ سنت کے مسلکِ جمہور کی قطعاً کوئی پروا نہیں کی۔ اعاذنا اللّٰہ منه۔

شدہ شدہ بات یہاں تک پہنچی کہ اپنی کانفرنس میں اپنے اسٹیج پر یہود ونصاریٰ کے مذہبی پیشواؤں اور کفار ومشرکین کے مذہبی رہنماؤں کے اعمال وافعال مشتمل برحرام وضلال وکفر کو نظر انداز کردیتے ہیں اور ان کے اقوال وتقاریر مشتمل برحرام وضلال وکفر سے اپنے کان بہرے کرلیتے ہیں۔ جو نہ کوئی مجبوری ہے نہ ضرورت بلکہ اسے صاف وصریح الفاظ میں کفر پر رضامندی کے سوا کچھ اور نہیں کہا جاسکتا۔

کیا ایک معمولی عقل رکھنے والا انسان بھی جان بوجھ کر ایسی حماقت کرسکتا ہے جس کے بارے میں اسے پختہ علم ویقین ہے کہ یہ شخص کبھی کبھی شہد میں زہر ملا دیتا ہے اور کبھی کبھی مٹھائیوں کے ساتھ زہر بھی کھلا دیتا ہے، اس کے ہاتھ سے یا اس کے دسترخوان پر کچھ کھائے؟ یا اس کے قریب جائے؟

سوچیے، غور کیجیے پھر صحیح فیصلہ کیجیے۔ اور بہتر یہ ہے کہ اپنے قریب کے مستند علمائے اہل سنت سے ملاقات کرکے حقائق کی جانکاری حاصل کیجیے اور اپنی عاقبت درست رکھنے کی کوشش کیجیے۔

اللّٰہ تبارک وتعالیٰ ہم سب کو حق وہدایت وصراطِ مستقیم پر گامزن رکھے اور اپنے اکابر واسلاف کے مذہب ومسلک پر قائم ودائم رکھے۔ آمین بجاہِ حبیبہٖ سیّدِ المرسلین علیه الصلوٰۃ والتسلیم۔

﴿.....﴾

پروفیسر طاہر القادری! ایک لمحۂ فکریہ

از: علامہ محمد احمد مصباحی، مفتی محمد نظام الدین رضوی، علامہ یٰسین اختر مصباحی

ہندوستان (ہندو پاک و بنگلہ دیش) کے اندر اسلام کی روشنی عہدِ صحابۂ کرام میں پہنچی اور اسلامی دُعاۃ و مبلغین و صوفیہ و مشائخِ عظام کی مخلصانہ دعوت و تبلیغ کے ذریعہ ہزاروں لاکھوں افراد مشرف بہ اسلام ہوئے اور شب و روز یہ تعداد بڑھتی اور ہر خطۂ ہند میں اسلام کی روشنی پھیلتی چلی گئی۔

ایک طویل مدت کے بعد مسلم تاریخ ہند میں اسلام کی صورت مسخ کرنے اور اہل اسلام کی شناخت ختم کرنے کا ایک سنگین حادثہ و مرحلہ اُس وقت پیش آیا جب مغل بادشاہ جلال الدین محمد اکبر نے اپنے دربار میں ہر مذہب کے پیشواؤں کو جمع کر کے ان کے مذہب کی تعلیمات واحکام سننے کا ایک سلسلہ شروع کیا اور خود اس کے دل میں یہ خیال پیدا ہوا کہ سب کی اچھی باتوں کا انتخاب کر کے کیوں نہ میں خود ہی ایک مذہب بنالوں اور اسے سارے ہندوستان میں رائج کردوں۔ چنانچہ اس نے ''دینِ الٰہی'' کے نام سے ایک ''معجونِ مرکب'' تیار کرایا اور شاہانہ سرپرستی میں اسے پھیلانے کے اس نے سارے انتظامات بھی کردیے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ جزائے خیر دے اور اپنی رحمتوں سے نوازے حضرت شیخ عبد الحق محدث دہلوی ومجدد الفِ ثانی حضرت شیخ احمد فاروقی سرہندی کو کہ ان دونوں حضرات نے خصوصاً اور بعض دیگر حضرات نے عموماً اِس فتنہ کا اپنے اپنے انداز میں مقابلہ کیا اور اس کے امنڈتے ہوئے سیلاب سے مسلم آبادیوں کو محفوظ کردیا۔

مسلمانانِ ہند صدیوں بعد دوبارہ اس طرح کے حالات سے اُس وقت دوچار ہوئے جب ۱۹۲۰ء میں تحریکِ ترکِ موالات جسے تحریک عدم تعاون، (نان کوآپریشن موومنٹ) بھی کہا جاتا ہے، اس کی آندھی چلی اور اس کے بعض لیڈروں نے ایک ایسا نیا مذہب بنانے کی درپردہ سازش کی جو ہندو مسلم کا فرق و امتیاز مٹادے اور سنگم و پریاگ کو مقدس مقام قرار دے۔ اس نازک موڑ پر امام اہل سنت مولانا الشاہ محمد احمد رضا قادری برکاتی بریلوی (وصال ۱۳۴۰ھ ۱۹۲۱ء) اور آپ کے بعض دیگر ہم خیال عُلما و مشائخ اہل سنت نے اپنی تحریر وتقریر کے ذریعے اس فتنے کی سرکوبی کر کے مسلمانانِ ہند کے ایمان وعقیدے کو محفوظ رکھا اور استقامتِ دینی و غیرتِ ملّی کا عظیم نمونہ پیش کیا۔

ذہانت وصلاحیت اللہ رب العزت کی عطا کردہ ایک بڑی نعمت ہے جس کا صحیح استعمال خلقِ خدا کے لئے باعثِ رحمت ہے۔ بندۂ مومن اور عالمِ ربانی اس عطیۂ خداوندی سے ساری انسانیت کو فیض پہنچا کر باعثِ رُشد وہدایت بنتا ہے اور اسے اللہ کے پسندیدہ دین اسلام سے قریب کرنے کی راہ ہموار کرتا ہے اور یہ اس وقت ہوتا جب سلامتیِ فطرت، سعادتِ قلب اور توفیقِ الٰہی اسے حاصل اور شریکِ حال ہو۔

بعض اوقات یہ ذہانت وصلاحیت انسان کے لئے فتنہ وآزمائش کا سبب بن جاتی ہے وہ اپنے علم وعقل پر بے جا اعتماد کر کے خودسَری کا شکار ہوجاتا ہے، اسلاف واکابر کی حرف گیری وانگشت نمائی اس کا مشغلہ بَن جاتا ہے، کچھ نیا کر گذرنے اور اپنی طرف لوگوں کو متوجہ کر کے ان کے درمیان مشہور ومقبول ہونے کا جذبہ اسے راہِ حق اور راہِ اعتدال سے دور کرنے لگتا ہے۔ مسلمہ حقائق اور متفقہ احکام سے عدول وانحراف کر کے اپنی تحقیقات اور نئے خیالات پیش کرنے لگتا ہے، جمہور عُلما وفقہائے اسلام کے بالمقابل اپنے مزعومہ اجتہاد پر اِصرار کرنے لگتا ہے، اپنے تخیل و زورِ بیان وقوتِ تحریر کا مظاہرہ کرتے ہوئے سَوادِ اعظم اہلِ سنت کے درمیان اپنا ممتاز مقام بنا کر اپنی ایک مخصوص جماعت بنانے کی تدبیر کرنے لگتا ہے اور رفتہ رفتہ اپنے ہم مزاج وہم خیال افراد کو منظّم کر کے ایک نئے فرقہ کا بانی بن جاتا ہے۔ اس طرح کی متعدد مثالیں خود ہمارے ہندوستان (متحدہ ہندوستان بشمول ہندو پاک وبنگلہ دیش) کے اندر موجود ہیں جنھیں عوام وخواص اچھی طرح جانتے ہیں۔

پندارِ علم اور عقلیت پرستی نے ہندوستان کی جن معروف شخصیتوں

کو اپنی گرفت میں لے کر انہیں غلط راہ پر ڈالا اور اپنی ''تحقیق واجتہاد'' کا نشہ جنہیں صحیح منزل سے بہت دور لے گیا ان میں سرسید احمد خان وعنایت اللہ مشرقی وابوالکلام آزاد کے نام نمایاں ہیں۔ موجودہ لوگوں میں اسی طرح ایک نام وحید الدین خان (نئی دہلی) کا بھی ہے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ ایسے لوگوں کی آفتوں وبلاؤں اور ان کی گمراہیوں سے مسلمانوں کو محفوظ رکھے اور انہیں اپنے اسلاف واکابرِ اہلِ سنت کے نقشِ قدم پر چلتے رہنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین
بجاہ حبیبہٖ سیّد المرسلین علیہ الصلوٰۃ والتسلیم۔

ادارہ منہاج القرآن لاہور کے بانی **پروفیسر طاہر القادری** اپنی تحریر وتقریر کے ذریعے پاک وہند اور بعض دیگر ممالک کے بہت سے مسلمانوں کے لیے مرکزِ توجہ بنتے جا رہے ہیں۔ ان کے خیالات بہت سے لوگوں کے دل ودماغ کو متأثر کرتے ہیں۔

پروفیسر طاہر القادری کی کتابِ زندگی اور مجموعۂ خیالات کا ایک پہلو یہ ہے کہ انہوں نے بعض عقائد ومعمولاتِ اہلِ سنت کو اپنی تحریر وتقریر کے ذریعے بڑے ہی مدلل اور پُرکشش انداز میں پیش کیا جس کا اثر یہ ہے کہ بہت سے سنی مسلمان انہیں مذہب اہل سنت کا بہترین مبلغ وترجمان سمجھنے لگے ہیں۔

دوسرا پہلو یہ ہے کہ ان کی تحریر وتقریر کے ذریعے ایک نئے قسم کا رُجحان پیدا ہو رہا ہے اور نئے خیالات جنم لے رہے ہیں۔ ان کی ''تحقیق واجتہاد'' سے انتشار وفتنے کے نئے دروازے کھل رہے ہیں اور دینی وعلمی حلقوں میں ان کی ذات اور فکر وتحریک موضوعِ بحث بنتی جا رہی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ عُلما ومشائخ اہل سنت پاک وہند کسی بڑے خطرے کی بو محسوس کرنے کے بعد سے ہی سخت اضطراب وبے چینی میں مبتلا ہیں اور وہ اس کا سدِّ باب کرنے کی مختلف تدابیر پر تبادلۂ خیال اور غور وفکر کر رہے ہیں اور پاکستان میں اپنے مضامین اور رسائل وکتب کے ذریعے برسوں سے اظہارِ خیال بھی کر رہے ہیں۔

ابھی ایک تازہ واقعہ یہ ہوا ہے کہ پروفیسر طاہر القادری نے انگلستان میں مختلف مذاہب کے پیشواؤں کی ایک مشترکہ کانفرنس کی جس میں سب نے اپنے اپنے عقائد کے مطابق شرکا وحاضرین کو خطاب کرتے ہوئے اپنے اپنے عقیدے کے مطابق دعائیں کیں۔ اس کانفرنس میں بعض محرمات وکفریات کا بھی ارتکاب ہوا جنہیں پروفیسر طاہر القادری نے برداشت کیا اور ان کی طرف سے کسی تردید وانکار کا اظہار نہیں ہوا۔ سی ڈی میں کانفرنس کی روداد اور اس کے مناظر دیکھے سُنے جا سکتے ہیں۔ یہ سی ڈی ہندوستان میں بھی گشت کر رہی ہے اور اسے بآسانی حاصل کر کے کوئی بھی شخص بذاتِ خود سب کچھ دیکھ سُن سکتا ہے۔

پروفیسر طاہر القادری کی تجدُّد پسندی اور ان کی ''تحقیق واجتہاد'' کا آغاز اس وقت ہوا جب انہوں نے دِیَت (خون بہا) کے مسئلے پر اپنے موقف کا اظہار کیا جو امام اعظم ابوحنیفہ وجمہور فقہا وائمۂ احناف کے موقف ومسلک کے بالکل برعکس اور مخالف ہے۔ پاکستان کے جلیل القدر عالم اور پروفیسر طاہر القادری کے استاد حضرت علامہ احمد سعید کاظمی (ملتان، پنجاب، پاکستان) نے پروفیسر طاہر القادری کو بہت سمجھایا مگر یہ اپنے ''اجتہاد'' پر بضد رہے اور تمام عُلمائے اہل سنت مل کر بھی انہیں اس مسئلہ میں راہِ راست پر لانے میں کامیاب نہ ہو سکے۔ یہاں تک کہ ایک گفتگو کے دوران ایک عالم نے جب ان سے کہا کہ: ''اس مسئلہ میں امام اعظم ابوحنیفہ یہ فرماتے ہیں'' تو انہوں نے یہ حد درجہ جسارت آمیز اور حیران کُن جواب دیا کہ: ''آپ میرے دلائل کے جواب میں ان کا نام کیوں پیش کرتے ہیں؟ وہ تو اس مسئلے میں ہمارے فریق ہیں''۔ اس جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ ایک مسئلے میں میں نے اجتہاد کیا اور اسی مسئلے میں صدیوں پیشتر امام اعظم ابوحنیفہ نے بھی اجتہاد کیا جن کے اجتہاد سے الگ میرا اجتہاد ہے۔ ایسی صورت میں ایک فریق میں ہوا، ایک فریق وہ ہیں۔ پھر فریقِ مخالف کا نام یا ان کے اجتہاد کا ذکر میرے مقابلے میں کیوں پیش کر رہے ہیں؟

اس پہلے اجتہادی اقدام کو قارئین سامنے رکھیں اور اس پر غور وفکر کر کے خود ہی فیصلہ کریں کہ پروفیسر طاہر القادری کی ذہانت وصلاحیت نے انہیں سب سے پہلے کس کے مقابلے میں لا کھڑا کیا؟ اور پھر یہ نتیجہ خود ہی اَخذ کریں کہ ائمۂ مجتہدین وفقہا وعلمائے اسلام کے مقابلے میں جو شخص اپنے علم وعقل اور اپنے خیال ورائے کو ترجیح وفوقیت دیتا ہے اس کا انجام کیا ہوتا ہے؟ اور آنکھ بند کر کے اسے ماننے والوں کا حشر کیسا ہوتا ہے؟

(بقیہ ص ۳۲ / پر)

واقعۂ کربلا: ایک دعوتی تحریک

ایک ایسی تحریک جو داعیانِ اسلام کے لیے خضرِ راہ کی حیثیت رکھتی ہے

از: صادق رضا مصباحی

دنیا میں ہر چوتھا شخص مسلمان ہے شاید ہی کوئی ایسا مسلمان ہوگا بلکہ شاید ہی کوئی انسان ہوگا جو جگر گوشۂ بتول نواسۂ رسول شہزادۂ علی المرتضیٰ حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اسم گرامی سے واقف نہ ہو۔ ایک تو اس لیے کہ وہ آقائے کائنات حضور سرورِ کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی پیاری بیٹی حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے لختِ جگر اور خلیفۂ چہارم حضرت سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے شاہزادے تھے اور دوسرے اس لیے کہ خود امام حسین، ان کے رفقا اور پورا واقعۂ کربلا قربانیوں کے استعارے کے طور پر تاریخ کے ماتھے پر ہمیشہ جھومر کی طرح لٹکتا رہے گا۔ بلا شبہ ان کی عظمتیں ان مذکورہ شخصیتوں کی مرہونِ منت ہیں مگر ان سب کے باوجود سب سے اہم اور قابلِ قدر عظمت و رفعت ان کا وہ کارنامہ ہے کہ جس کی وجہ سے ان کی مبارک شخصیت ہر حقیقی مسلمان کے فکر و شعور کا حصہ ہے۔ آج حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قربانیاں اور کاوشیں اسلام کی رگوں میں لہو بن کر دوڑ رہی ہیں اور جب تک سورج مشرق سے طلوع ہوتا رہے گا ان کی قربانیوں کا گلاب عطر بیزی کرتا رہے گا۔

سانحۂ کربلا کوئی معمولی سانحہ نہیں بلکہ تاریخِ اسلام کا وہ دردناک سانحہ ہے جس کی درد انگیزی آج بھی تازہ معلوم ہوتی ہے۔ صدیوں سے اذہان اور صفحات پر سفر کرتا ہوا یہ سانحہ ہم تک پہنچا ہے اور قیامت تک ہماری نسلوں کے فکر و ذہن پر دستک دیتا رہے گا۔ اس کی اہمیت، معنویت اور مقصدیت پر لاکھوں صفحات تحریر کیے جا چکے ہیں۔ نثر و نظم میں لاکھوں افراد اپنا خراجِ عقیدت پیش کر چکے ہیں اور سانحۂ کربلا کے منظر، پس منظر اور پیش منظر پر اپنے قلم کا نقشہ کھینچ چکے ہیں مگر یہ سانحۂ کربلا کی درد انگیزی ہے یا شہادتِ امام حسین کی بے کلی کہ لکھنے والوں کو ہر دم بے کل کیے رہتی ہے۔ صفحات کے صفحات لکھے جا رہے ہیں، ہزاروں افکار قلمی سفر کرتے جا رہے ہیں مگر تشنۂ عقیدت ہے کہ ختم ہی نہیں ہو رہا ہے۔ آخر کیا وجہ ہے کہ واقعۂ کربلا کا جادو سر چڑھ کر بول رہا ہے، امام حسین کی یادوں کی شمعیں جلائی جا رہی ہیں، ان کے پیغامات سے دلوں کے ایوان روشن کیے جا رہے ہیں اور ان کی پیاری یادوں کا ایک ریلا ہے جو آنکھوں کے راستے باہر نکل رہا ہے۔ اس کے منظر، پس منظر اور پیش منظر پر غور کیجیے تو اندازہ ہوگا کہ یہ صرف ایک واقعے کا نام نہیں بلکہ ایک پیغام کا نام ہے، ایک فکر کا نام ہے، ایک تحریک کا نام ہے، ایک جہدِ مسلسل کا نام ہے، ایک مشن کا نام ہے، ایک سعیِ پیہم کا نام ہے، ایک دعوتی جد و جہد کا نام ہے، ایک نظریے کا نام ہے اور ایک فلسفے کا نام ہے۔ حق و باطل کی یہ جنگ جو ۶۲ھ میں ہوئی تھی اسلام کے تحفظ اور دفاع کی جنگ تھی۔ دشمنانِ اسلام، اسلام کے چہرے سے نورانی نقاب نوچ ڈالنا چاہتے تھے۔ ان کی خواہش تھی کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تعلیمات و ارشادات کے پیمانے بدل دیے جائیں۔ وہ اسلام کی جڑوں کو کھوکھلا کرنے کے درپے تھے۔ انہیں دشمنوں کے منہ پر لگام دینے اور ان کی حیثیانہ کوششوں کا راستہ مسدود کرنے کے لیے یہ سانحہ پیش آیا تھا۔ حضرت امام حسین، ان کے مبارک خاندان اور ان کے جاں نثار رفقا نے اس طوفان بدتمیزی پر اس طرح بند باندھا کہ باطل کو اپنے منہ کی کھانی پڑی۔ یزیدی دنیا سے اٹھ گئے اور ان کے عزائم کربلا کی ریت میں دفن ہو گئے۔ آج کوئی ادب و تعظیم سے نام تک نہیں لیتا مگر حضرت امام حسین اور ان کے مبارک جاں نثار قیامت تک تاریخ کی انگوٹھی میں نگینے کی طرح جڑے رہیں گے اور ان کے مبارک اسما کو عقیدتوں کی پلکوں پر سجائیں گے مگر یزیدیوں پر قیامت تک اللہ کی، اس کے فرشتوں کی اور لوگوں کی پھٹکار پڑتی رہے گی۔

واقعہ کربلا کا ایک اور پہلو ہے جسے ہم اسلام کی تبلیغ و اشاعت کا نام دے سکتے ہیں۔ مختصر لفظوں میں یہ کہہ سکتے ہیں کہ یہ عظیم سانحہ اسلام کی اشاعت اور حقیقی اسلامی نظریات کی ترسیل و ابلاغ کے لیے ہی پیش آیا تھا۔ امام حسین اور ان کے رفقا ایک دعوتی تحریک لے کر اٹھے تھے۔ یہ ایسی دعوتی تحریک تھی کہ پورے عالم میں اس کی دھمک محسوس

ہورہی ہے اور قیامت تک اس کی دھمک سنائی دیتی رہے گی۔ داعیان اسلام اور دعوتی جماعتوں کے لیے یہ تحریک خضرراہ کا کام کرتی ہے اس سے ان کو حوصلہ ملتا ہے اور جذبۂ فراواں بھی۔

ذرا تصور کیجیے! اگر شہادت حسین کا سانحہ پیش نہ آتا تو کیا اسلام آج موجودہ شکل میں ہمارے سامنے ہوتا؟ اگر نبیِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پیارے نواسے اپنے نانا کے دین کے تحفظ میں بروقت سامنے نہ آتے تو کیا یزیدی اسلام کو خرد برد سے محفوظ رکھتے؟ حضرت امام حسین اور ان کے جاں نثار رفقائے گرامی اگر اپنی جانوں کا نذرانہ نہ پیش کرتے تو کیا اسلام کے چشمۂ صافی کی گدلے پانی میں آمیزش نہ ہوتی؟ حضرت امام حسین کی بصارت وبصیرت دیکھ رہی تھی کہ اگر اس وقت یزیدیت کے پاؤں نہ جکڑے گئے اور یزیدی فکر کے حاملین پر آگے بڑھنے سے روکا نہ گیا تو پھر کشورِ فکر وعمل میں یزیدیت کا سکہ بآسانی چلنے لگے گا اور پھر بعد میں اس کے تار و پود بکھیر نا مشکل امر ثابت ہوگا۔ اس جہت سے دیکھا جائے تو خاندان اہل بیت کی اس قربانی نے اسلام کے لیے آب حیات کا کام سر انجام دیا ہے یہی آب حیات اسلامی وراثت کے چشمۂ صافی میں اب تک چھلک رہا ہے اور جب تک زمانے کی پلک جھپک نہیں جاتی اس کا تموج مومنوں کے قلوب میں جاری رہے گا۔

حضرت ابراہیم علی نبینا علیہ الصلوٰۃ والسلام نے خدا کے حضور اپنے بیٹے کی قربانی پیش کر کے قیامت تک کے لیے پوری اُمت مسلمہ کے لیے قربانی کو واجب کر دیا تھا۔ انہوں نے صرف اپنے بیٹے کی قربانی پیش کر کے اللہ عزوجل کی خوشنودیوں کا تمغہ حاصل کیا تھا اور اسلام کے تن میں روح پھونک دی تھی لیکن حضرت امام حسین نے میدان کربلا میں اسلامی شان وشوکت کو قائم رکھنے کی خاطر اور اللہ عزوجل اور اس کے پیارے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی رضا وخوشنودی کے لیے اپنے پورے خاندان کا نذرانہ پیش کیا تھا اس میں عورتیں بھی تھیں، بچے بھی تھے، بوڑھے بھی تھے اور نوجوان بھی۔ اس سے اندازہ لگائیے کہ اللہ اور اس کے محبوب ان کے عمل سے کتنے خوش ہوئے ہوں گے اور پھر حضرت ابراہیم علی نبینا علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تو بس آزمائش تھی پس پردہ کچھ اور ہی تھا۔ چلے تھے اپنے بیٹے اسماعیل علیہ السلام کو ذبح کرنے اور قدرت خداوندی سے جنتی دنبے کو ذبح کر بیٹھے اور پھر دیکھا کہ اسماعیل تو بغل میں کھڑے مسکرا رہے ہیں مگر خاندان کربلا کے ساتھ معاملہ بالکل برعکس تھا یہاں تو حقیقی طور پر انسانی خون بہایا گیا تھا اور ایک انسان کا خون نہیں بلکہ بہتر نفوس قدسیہ نے چمنستان اسلام کی سرسبز وشادابی کے لیے اپنا لہو پیش کیا تھا۔ وہاں حضرت اسماعیل نے اپنے والد گرامی حضرت ابراہیم سے عرض کیا تھا: ابا حضور! آپ اپنی آنکھوں پر پٹی باندھ لیجیے تاکہ ذبح کرتے وقت کہیں ایسا نہ ہو کہ محبت پدری جوش میں آئے اور آپ اپنے خالق کا وعدہ فراموش کر بیٹھیں۔ چنانچہ والد گرامی نے اپنے بیٹے کی گزارش پر آنکھوں پر پٹی باندھی پھر اپنے خالق کا وعدہ پورا کیا لیکن خاندان اہل بیت کے ساتھ ایسا ہرگز نہیں ہوا بلکہ انہیں تو اپنی کھلی آنکھوں کے سامنے اپنے جگر گوشوں کو قربان ہوتے دیکھنا پڑا تھا۔ اپنے ماتھے کی آنکھوں سے انہوں نے دیکھا کہ یزیدی ان کے جان سے پیاروں کو کس کس طرح سے شہید کر رہے ہیں، ان کے جگر کے ٹکڑوں کا کیا حشر ہو رہا ہے اور یزیدی انہیں کیسے کیسے حیلے تراش کر سوئے جنت بھیج رہے ہیں؟ یہ تصور کرتے ہی ذہن ودماغ کی عجیب حالت ہو جاتی ہے کہ شہید ہونے والوں کے والدین کریمین نے، ان کی بہنوں نے، ان کے بھائیوں نے اور ان کے عزیز واقارب نے کس دل سے یہ منظر برداشت کیا ہوگا۔ وہاں تو صرف حضرت اسماعیل علیہ السلام اور ان کے والد گرامی تھے اور یہاں تو پورا خاندانِ اہل بیت ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کے لختِ جگر حضرت اسماعیل علیہ السلام کے جذبۂ جاں نثاری کو اللہ تعالیٰ نے اتنا پسند فرمایا کہ قیامت تک تمام مسلمانوں کے لیے ان کے اس عمل کو بروئے کار لانے کا حکم دے دیا گیا اور صاحب نصاب مسلمانوں پر قربانی واجب کر دی گئی تو جب حضرت ابراہیم واسماعیل علیہما السلام کے جذبۂ قربانی کا یہ حال ہے تو اہل بیت کے جذبۂ قربانی کا کیا حال ہوگا اور اللہ عزوجل کی بارگاہ میں اسے کس درجے کی قبولیت کی سند سے نوازا گیا ہوگا۔ خدا معاف فرمائے کہ اس سے مقصد معاذ اللہ ابراہیم واسماعیل علیہما السلام کی توہین یا دونوں کا تقابل پیش کرنا نہیں ہے۔ وہ تو نبی ہیں ان کی عظمتوں کا کیا پوچھنا۔ مدعائے نگارش صرف اور صرف شہادت حسین کی اہمیت ومعنویت کو اُجاگر کرنا ہے دونوں واقعات کے الگ الگ پہلوؤں کا جائزہ لیا جائے تو اس سے بآسانی اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ اہل بیت کی قربانی غیر معمولی اہمیت کی حامل ہے اور تحفظ اسلام کی ضمانت بھی۔

مشہور عالم پہلوان رستم کی بہادری کے تذکرے زبان زد خاص وعام ہیں۔اس کی قوتوں کے چرچے تاریخ کے صفحات پر جگہ پا چکے ہیں۔اس نے جو بہادری کے جوہر دکھائے وہ غذا کھا کر دکھائے لیکن حضرت امام حسین، ان کے افرادِ خاندان اوران کے جاں نثار رفقا تو میدان کربلا میں کئی کئی دنوں کے بھوکے پیاسے تھے، پیاس کی شدت سے ان کے گلے تک خشک ہو چکے تھے۔ظالم یزیدیوں نے دریائے فرات پر پہرے بٹھادیے تھے تاکہ کسی بھی حسینی کو پانی کا ایک قطرہ بھی نہ مل سکے۔ ننھے ننھے بچے گرمی کی حرارت اور پیاس کی شدت سے تڑپ رہے تھے مگر ظالم یزیدیوں کو خیال نہ آیا۔حسینی خیمے میں یہ منظر تھا کہ یہ نفوس قدسیہ پانی کی ایک ایک بوند کو بھی ترس گئے تھے زبانیں تر کرنے کے لیے ایک دوسرے کی زبان سے اپنی زبان مس کرتے تھے کہ کچھ قرار آجائے مگر ان سب مصائب وشدتوں کے باوجود ان حضرات نے اپنی بہادری کے وہ جوہر دکھائے کہ ہٹے کٹے اور موٹے تگڑے یزیدیوں کے دانت کھٹے کردیے۔نحیف البدن ہونے کے باوصف اتنی بے جگری سے لڑے کہ ظالموں کو حیرت میں ڈال دیا اور دنیا کو یہ پیغام دیا کہ جسمانی طاقت سے زیادہ ایمانی وروحانی قوتوں کی اہمیت ہے۔اگر جسم ایمانی وروحانی قوتوں سے لیس ہے تو جسمانی وظاہری قوتوں سے مسلح افراد چشم زدن میں نیچے پڑے نظر آئیں گے۔

دنیا کا کوئی انسان ایسا نہیں جو حضرت امام حسین اوران کے اہل خاندان کے جوش وولولے کا مقابلہ کرسکے۔پوری اسلامی تاریخ میں ان کی جواں مردی کے قصے امر ہو چکے ہیں۔حضرت امام حسین کو دعوت مبارزت دینے والے کوئی الگ عقیدے کے لوگ نہیں تھے بلکہ ان سے مقابلہ کرنے والے مسلمان کہلانے والے ہی تھے آج کی زبان میں انہیں ہم ماڈرن مسلمان کہہ سکتے ہیں۔اسلام کی حرام چیزوں کو ان لوگوں نے حلال کر رکھا تھا، وہ اخلاقی مریض تھے اور حضرت امام حسین کے متبعین کو بھی اپنا ہم نوا بنانا چاہتے تھے۔بھلا وہ اسے کب برداشت کرسکتے تھے چنانچہ پھر وہی معرکہ گرم ہوا جسے دنیا نے دیکھا اور قیامت تک تصورات کی آنکھیں دیکھتی رہیں گی۔اس سے معلوم ہوا کہ اسلام کو خارجی فتنوں سے زیادہ داخلی فتنوں نے نقصان پہنچایا۔اوراق شاہد ہیں کہ اسلام میں شگاف ڈالنے کی کوشش جتنی غیروں نے کی وہ تو کی ہی لیکن اپنوں نے بھی اپنے گھر کے چراغ گل کرنے میں کوئی کسر باقی نہ رکھی اس لیے خارجی عداوت سے زیادہ داخلی عداوت کا زخم مندمل کرنے کی اشد ضرورت ہے۔کربلائے معلیٰ سے جو پیغامات ہمیں موصول ہو رہے ہیں ان میں ایک سب سے اہم پیغام یہ بھی ہے کہ اندرونی خطرے کو کمتر مت سمجھو بلکہ اس داخلی محاذ پر زیادہ توجہ دینے کی کوشش کرو کیوں کہ جب داخلی محاذ مضبوط ہوگا تو بیرونی خطرات خود بخود اپنا راستہ لے لیں گے۔

جب جب محرم الحرام کا سورج طلوع ہوتا ہے خاندان اہل بیت کی یادیں خود بخود ذہنوں کے تاروں کو چھیڑنے لگتی ہیں اور ہمیں اپنا بھولا ہوا سبق یاد دلاتی ہیں۔ہمارے کانوں میں کچھ سرگوشیاں کرتی ہیں اور ہمیں اسلام کے نام پر حرکت وعمل کے لیے اُبھارتی ہیں۔یزیدی تو مٹ گئے دنیا سے نیست ونابود ہوگئے مگر یزیدیت کے اثرات اب پھر سے ماحول کو پراگندہ کر رہے ہیں۔آج پھر ضرورت ہے حسینی کردار زندہ کرنے کی۔الحمد للہ! ہم لوگ حسینی ہیں حسین کے نام پر جان فدا کرنے والے ہیں۔ہم کو تن تنہا دو محاذوں پر کام کرنا ہے اور یزیدیت سے لڑائی لڑنی ہے ایک داخلی یزیدیت اور ایک خارجی یزیدیت۔ہماری بدقسمتی یہ کہ ہمارے اندر بھی وہی اوصاف پیدا ہو چکے ہیں جن کی بنا پر خاندان اہل بیت کو جنگ کے میدان میں آنا پڑا تھا۔جھوٹ، غیبت، چغلی، فریب، بدعملی، زناکاری، مکاری جیسے خسیس رذائل جو یزیدیوں کے پورے وجود کو غڑاپ سے نگل چکے تھے۔وہی اوصاف رذیلہ ہمارے کردار کا بھی حصہ بن چکے ہیں۔ہماری حسینیت کا صحیح حق اسی وقت ادا ہوگا جب ہم سب سے پہلے یزیدیت سے لڑائی کی ابتدا اپنی ذات سے کریں اور پھر اپنی ذات سے نکل کر اپنے گرد وپیش کا جائزہ لیں اور ان کے خلاف مہم چلائیں۔جہاں جہاں بھی ہماری حد نگاہ میں یزیدی اثرات کے اڈے ہیں ان سب کو مسمار کریں۔جیسے ظاہری طور پر اسلام کو کل خطرہ تھا ویسے آج بھی ہے اور اس کی ذمے دار ہمارے اندر چھپی ہوئی وہ یزیدیت ہے جو ہمارے وجود سے جونک کی طرح چپکی ہوئی ہے۔ہمارا کردار وعمل اس قدر گرا ہوا ہے کہ اسلامی تعلیمات وافکار کی ہلکی سی آنچ بھی ہماری فکری وعملی زندگی کی کیتلی کو نہیں لگی ہے۔اسلام کے تحفظ وبقا کی ذمے داری چوں کہ خود خدائے وحدہ لاشریک لہ نے لے رکھی ہے اس لیے اسلام کو کبھی خطرہ تھا اور نہ ہوگا لیکن ہمارے ظاہری اسباب وحالات اس لائق بالکل نہیں ہیں کہ جس سے اسلام کے تحفظ اور دفاع کا کچھ سامان ہوسکے۔

امام حسین کے نام کا نعرہ لگانے، ان کے نام سے نیازیں کرنے،

سبیلیں لگانے، کھچڑا بنانے وغیرہ وغیرہ سے کچھ نہیں ہوگا جب تک ان کے پیغامات کو اپنے عمل سے نشر نہ کیا جائے۔ حضرت امام حسین اوران کے جاں نثار رفقا نے کل میدان کربلا میں اپنی جان دے کر اسلام کو بچایا تھا اور آج ہمیں اپنی کارگہ حیات میں اپنی کوششوں کا خون دے کر اسلام کو بچانا ہے۔ بظاہر ہم یہی کہہ سکتے ہیں کہ اگر معرکہ کربلا بپا نہ ہوتا تو شاید آج اسلامی تعلیمات کا رخ زیبا لہولہان ہوتا۔ یہ تو حضرت امام حسین کا مسلمانوں پر کروڑوں درجہ احسان ہے کہ انہوں نے اسلام کی وراثت ہم تک جوں کی توں پہنچائی اور قیامت تک اس موروثی خزانے پر اپنی روحانیت اور قربانیوں کے پہرے لگا دیے۔ اب کبھی اس میں خرد برد نہ ہوسکے گی۔ ہر سال محرم شریف کا مہینہ آتا ہے اور ہمارے تصوراتی کاشانے میں کربلا کا پورا منظر اُتار دیتا ہے کہ یادِ حسین کے کمھلائے ہوئے پھول ایک بار پھر سے کھل اٹھیں اور ان کی خوشبو سے فکر وعمل کے ایوان معطر ہوجائیں۔ یہ مہینہ پوری دنیا کو یہی پیغام دیتا ہے کہ جب تک اسلام کے لیے قربانیوں کا نذرانہ پیش نہیں کیا جائے گا تب تک ہماری مسلمانیت کا صحیح حق ادا نہیں ہوگا۔

اخیر میں اس بات کا پھر اعادہ کررہا ہوں کہ حضرت امام حسین کی شہادت صرف شہادت ہی نہیں ہے بلکہ یہ یزیدیت کی موت سے عبارت ہے۔ یزیدی اپنے اسلحوں کے بل پر حسینیوں کو زیر کرنا چاہتے تھے اور انہیں اپنا تابع فرمان بنانا چاہتے تھے مگر امام حسین اسلام کی بقا چاہتے تھے وہ اسلام کو اصلی شکلی وصورت میں دیکھنا چاہتے تھے اور انہوں نے اپنی جان کا نذرانہ پیش کر کے حقیقی اسلام ہم تک پہنچا بھی دیا بظاہر تو یزیدیوں نے خاندان اہل بیت کے ۷۲ نفوس قدسیہ کو شہادت سے ہم کنار کردیا لیکن ان کے ارادے کامیاب نہ ہوسکے۔ وہ ماڈرن اسلام کا احیا چاہتے تھے مگر ان کی آرزوئیں خاک آلود ہوگئیں اور حسینی شہید ہوکر بھی امر ہوگئے۔ وہ صرف تاریخ کے صفحات پر امر نہیں ہوئے بلکہ مسلمانوں کے دلوں میں بھی ہمیشہ کے لیے امر ہوگئے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو سچا پکا حسینی بنائے اور ان کے دینی جذبات وحوصلے کے چند قطرات ہمیں نصیب فرمائے تاکہ ہم بھی قیامت تک یزیدی کردار سے برسرپیکار رہیں اور دنیا کو یہ بتادیں کہ ؎

قتل حسین اصل میں مرگ یزید ہے
اسلام زندہ ہوتا ہے ہر کربلا کے بعد

....

مولانا ڈاکٹر محمد عاصم اعظمی کو صدمہ

جماعت اہل سنت کی عظیم شخصیت حضرت مولانا ڈاکٹر محمد عاصم اعظمی استاذ مدرسہ شمس العلوم گھوسی (مئو یوپی) اور معروف قلم کار جناب ڈاکٹر محمد قائم الاعظمی کی والدہ ماجدہ کا گزشتہ دنوں انتقال ہوگیا انا للہ وانا الیہ راجعون۔ اللہ تعالیٰ مرحومہ کی مغفرت فرمائے، درجات بلند کرے اور پسماندگان کو صبر واجر کی توفیق بخشے آمین۔

مرحومہ حضرت مولانا محمد سالم امجدی علیہ الرحمہ کی اہلیہ تھیں، صوم وصلوٰۃ کی پابند اور دیندار خاتون تھیں۔ بچوں کی تعلیم وتربیت پر آپ کی خصوصی توجہ رہی جس کے سبب آپ کے تمام صاحبزادگان نیک، صاحب علم اور دیندار ہیں۔ آپ کے بڑے صاحبزادے مولانا ڈاکٹر محمد عاصم اعظمی ایک اچھے مصنف اور محقق ہیں، صاحب طرز ادیب ہیں، اپنے سینے میں ملت کا بڑا درد رکھتے ہیں، تصنیفی میدان میں آپ کی مندرجہ ذیل کتابیں اہل علم سے خراج تحسین وصول کررہی ہیں۔ (۱) اردو وتراجم حدیث (مقالہ ڈاکٹریٹ) (۲) حجیت حدیث (۳) خلفائے راشدین (۴) داستان کربلا (۵) خواجہ غریب نواز (۶) محبوب الٰہی (۷) مشائخ عظام (بانیان سلاسل کا تذکرہ) (۸) محدثین عظام (۹) تاریخ سلاطین افغان (ترجمہ تاریخ داؤدی) (۱۰) مرأت مداری (۱۱) تذکرہ مولانا علیم اللہ فتح پوری (۱۲) ترجمہ سوانح غریب نواز فارسی از جہاں آرا بیگم بنت شاہجہاں۔ یہ کتابیں مطبوعہ ہیں اور مندرجہ ذیل کتب زیر طبع۔ (۱۳) ترجمہ منتخب اللغات فارسی (۱۴) تذکرہ علمائے گھوسی۔ قلم رواں دواں ہے۔ مولائے کریم مزید قلمی ودینی خدمات کی توفیق سے نوازے اور عمر دراز فرمائے۔ قائین سے گزارش ہے کہ مرحومہ کو ایصال ثواب سے یاد کریں۔

(از: محمد عبدالمبین نعمانی قادری، وارد حال نوری ٹاور، زکریا مسجد، ممبئی ۳)

☆☆☆

تحریک سنی دعوت اسلامی مولانا ڈاکٹر محمد عاصم اعظمی صاحب کو تعزیت پیش کرتی ہے اور ان کے غم میں برابر کی شریک ہے۔ اللہ مرحومہ کی بخشش فرمائے۔ (ادارہ)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بھاوج، سالی اور جلیل القدر صحابیہ

حضرت اسماء بنت عمیس رضی اللہ تعالیٰ عنہا

از: طوبیٰ صادق

اسما بنت عمیس اور فاروق اعظم کی خوش طبعی

غزوۂ خیبر (محرّم: ۷ رہجری) کے چند دن بعد کا ذکر ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اپنی صاحبزادی امّ المؤمنین حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا سے ملنے ان کے گھر تشریف لے گئے۔ وہاں ایک اجنبی خاتون حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا سے محوِ گفتگو تھیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا: یہ بی بی کون ہیں؟ حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا نے جواب دیا: یہ اسما بنت عمیس زوجہ جعفر ابن ابی طالب رضی اللہ عنہا ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ہاں وہ حبش والی (حبشیہ) وہ سمندر والی (بحریہ)؟

حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا نے جواب دیا: ہاں وہی۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے شاید (از راہِ خوش طبعی) فرمایا: ہم نے تم سے پہلے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کی اس لیے ہم تم سے زیادہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مستحق ہیں۔

یہ سن کر حضرت اسما رضی اللہ عنہا کو غصہ آ گیا، بولیں: جی ہاں آپ نے بجا فرمایا لیکن حقیقت حال یہ ہے آپ لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہتے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھوکوں کو کھانا کھلاتے تھے اور جاہلوں کو تعلیم دیتے تھے لیکن ہمارا حال یہ تھا کہ ہم حبش کی دور ترین مغبوض ترین سرزمین میں غریب الوطنی کی خاک چھان رہے تھے، ہم کو ایذا دی جا رہی تھی، ہم خائف رہتے تھے اور یہ سب کچھ اللہ اور اللہ کے رسول کی رضا جوئی کی خاطر تھا۔ خدا کی قسم جو کچھ آپ نے کہا ہے جب تک اس کا ذکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نہ کرلوں گی نہ کھاؤں گی نہ پانی پیوں گی۔ خدا کی قسم کسی قسم کا جھوٹ نہ بولوں گی، کج روی نہ اختیار کروں گی اور اس واقعے میں کوئی اضافہ نہ کروں گی۔

یہی گفتگو ہو رہی تھی کہ سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم بھی تشریف لے آئے۔ حضرت اسما رضی اللہ عنہا نے عرض کیا: یارسول اللہ! میرے ماں باپ آپ پر قربان، عمر یوں کہتے ہیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: تو تم نے انہیں کیا جواب دیا؟ حضرت اسما رضی اللہ عنہا بولیں: میں نے انہیں یوں اور یوں کہا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: وہ تم سے زیادہ میرے مستحق نہیں ہیں۔ عمر اور ان کے ساتھیوں کی صرف ایک ہجرت ہے اور تم اہل کشتی کی دو ہجرتیں ہیں (یعنی ایک مکہ سے حبشہ کی طرف اور دوسری حبشہ سے مدینہ کی جانب)۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد مبارک سے حضرت اسما رضی اللہ عنہا کو اس قدر مسرّت ہوئی کہ ان کی زبان بے اختیار تکبیر و تہلیل جاری ہو گئی۔ جب اس گفتگو کو چرچا پھیلا تو مہاجرین جوق در جوق حضرت اسما رضی اللہ عنہا کے پاس آتے، ان سے اس واقعے کی تفصیل سنتے اور خوش ہوتے تھے۔ حضرت اسما رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ حبشہ کے مہاجروں کے لیے دنیا میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد مبارک سے بڑھ کر حوصلہ افزا اور مسرّت انگیز کوئی شے نہ تھی۔

اسما بنت عمیس کون تھیں؟

یہ اسما بنت عمیس رضی اللہ عنہا جن کی فضیلت کی تصدیق ان کے ذوالہجرتین ہونے کی بنا پر خود سیّد الانام فخر موجودات صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی، قبیلہ خثعم کی چشم و چراغ تھیں اور ان جلیل القدر خواتین میں سے تھیں جنھوں نے دعوت حق کے بالکل ابتدائی زمانے میں سخت نا مساعد حالات اور مہیب خطرات سے بے پروا ہو کر قبول اسلام کی سعادت حاصل کی تھی۔ ان کے والد عُمیس کے سلسلۂ نسب کے بارے میں مؤرّخین میں سخت اختلاف ہے۔ کسی نے عمیس کے والد کا نام معبد بن تمیم لکھا ہے اور کسی نے معد بن حارث، والدہ کا نام بالاتفاق ہند (خولہ) بنت عوف تھا۔ امّ المؤمنین حضرت میمونہ بنت حارث بھی ان کے بطن سے تھیں اس نسبت سے اسما بنت عمیس رضی اللہ عنہا، حضرت میمونہ کی اخیافی بہن تھیں۔

علامہ ابن سعد اور ابن ہشام کا بیان ہے کہ جس زمانے میں اسما بنت عمیس رضی اللہ عنہا سعادت اندوزِ اسلام ہوئیں اس وقت صرف

تین نفوس شرف اسلام سے بہرہ ور ہوئے تھے اور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم ابھی دارِارقم میں مقیم نہیں ہوئے تھے۔ اس لحاظ سے اسما بنت عمیس رضی اللہ عنہا کو السّــابـقـون الاوّلـون کی مقدس جماعت میں بھی امتیازی حیثیت حاصل ہے۔ اس کے علاوہ تاریخ اسلام میں ان کو اس بنا پر بھی بڑی شہرت حاصل ہوئی کہ ان کا نکاح یکے بعد دیگرے تین ایسی عظیم المرتبت ہستیوں سے ہوا جو قصر اسلام کے عظیم الشان ستون تھیں اور رہبر انسانیت سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کو بے حد محبوب تھیں۔

پہلا نکاح

اسما بنت عمیس رضی اللہ عنہا کا پہلا نکاح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ابن عم حضرت جعفر طیّار ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے ہوا۔ ان کی شہادت کے بعد دوسرا نکاح حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے ہوا۔ ان کی وفات کے بعد تیسرا نکاح شیر خدا، فاتح خیبر حضرت علی ابن طالب رضی اللہ عنہ سے ہوا۔ اسما بنت عمیس رضی اللہ عنہا اور ان کے پہلے شوہر حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے قبول اسلام کا زمانہ ایک ہی ہے۔

ہجرت حبشہ کی صعوبتیں

اوائل سنہ ۴ بعد بعثت جب رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے علانیہ لوگوں کو حق کی طرف بلانا شروع کیا تو مشرکین مکہ فرط غضب سے دیوانے ہو گئے اور انہوں نے دعوت حق قبول کرنے والوں پر بے پناہ ظلم ڈھانے شروع کر دیے۔ جب یہ مظالم نا قابل برداشت حد تک پہنچ گئے تو بعثت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو اجازت دے دی کہ وہ حبش (ایتھوپیا) کو ہجرت کر جائیں جہاں کا بادشاہ ایک نیک دل اور انصاف پسند عیسائی تھا چنانچہ پہلی بار ۱۱ مردوں اور چار عورتوں کا ایک قافلہ بندرگاہِ شعیبہ سے جہاز میں سوار ہو کر حبش روانہ ہو گیا۔ سنہ ۶ بعد بعثت کے آغاز میں ۸۰ سے زیادہ مردوں اور ۱۹ خواتین پر مشتمل ایک اور قافلہ مکہ سے نکلا اور حبش کا رخ کیا۔ اس قافلے میں اسما بنت عمیس رضی اللہ عنہا اور ان کے شوہر حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ بھی شامل تھے اور کچھ ایسے اصحاب بھی جو پہلی ہجرت کے بعد حبش سے مکہ آ گئے تھے لیکن یہاں کی فضا کو بدستور ناساز گار پا کر دوبارہ ہجرت کرنے پر آمادہ ہو گئے تھے۔ قریش مکہ نے ان اصحاب کا سمندر تک تعاقب کیا لیکن وہ ان کے پہنچنے سے پہلے ہی کشتیوں میں بیٹھ کر روانہ ہو چکے تھے۔

حبش پہنچ کر یہ لوگ امن کی زندگی بسر کرنے لگے لیکن غریب الوطنی آخر غریب الوطنی ہوتی ہے۔ مہاجرین کو طرح طرح کی مصیبتیں پیش آتی تھیں۔ (بیماری، تنگدستی وغیرہ) لیکن وہ ان سب کو صبر و استقامت سے برداشت کرتے تھے۔ قریش مکہ کو اتنی دور بیٹھے ہوئے بھی مسلمانوں کا یہ امن چین گوارا نہ تھا۔ انہوں نے نجاشی (شاہ حبشہ) کے پاس ایک وفد تحفے تحائف دے کر اس مقصد کے لیے روانہ کیا کہ وہ بادشاہ کو مسلمانوں کے خلاف بھڑکائیں یہاں تک کہ وہ ان کو اپنے ملک سے نکال دے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مسرت

حضرت اسما بنت عمیس رضی اللہ عنہا، ان کے شوہر جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ اور بہت سے دوسرے مہاجرین حبش میں چودہ برس تک غریب الوطنی کی زندگی گزارتے رہے۔ اس دوران سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم مکہ سے ہجرت فرما کر مدینہ تشریف لے گئے اور بدر، اُحد، خندق اور خیبر کے معرکے گزر چکے۔ محرم سنہ ۷ ہجری میں خیبر فتح ہوا تو سارے مسلمان حبش سے مدینہ آ گئے۔ ان میں حضرت اسما رضی اللہ عنہا اور حضرت جعفر رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ خیبر کی فتح سے مسلمان پہلے ہی خوش تھے اپنے بھائیوں کی آمد سے ان کو دوہری خوشی ہوئی۔ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کو گلے لگایا ان کی پیشانی چومی اور فرمایا: میں نہیں جانتا مجھ کو جعفر کے آنے سے زیادہ خوشی ہوئی یا خیبر کی فتح سے۔

اسی زمانے میں حضرت اسما بنت عمیس رضی اللہ عنہا امّ المؤمنین حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا سے ملنے ان کے گھر گئیں جہاں وہ واقعہ پیش آیا جس کی تفصیل اوپر آ چکی ہے۔ اس وقت بعض صحابہ کا خیال تھا کہ حقیقی مہاجرین اوّلین وہی ہیں جنہوں نے مکہ سے مدینۂ منورہ کی طرف ہجرت کی لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وضاحت فرمادی کہ جن اصحاب نے پہلے حبشہ کی طرف ہجرت کی اور پھر حبشہ سے مدینۂ منورہ کی طرف ہجرت کی ان کو دو ہجرتوں کا شرف حاصل ہوا اور اس اعتبار سے مہاجرین مدینہ کو مہاجرین حبشہ پر فضیلت نہیں دی جا سکتی۔ چونکہ یہ وضاحت حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت اسما رضی اللہ عنہا کے استفسار پر فرمائی تھی اس لیے مہاجرین حبشہ بار بار ان کے پاس آتے تھے اور یہ حدیث سن کر مسرور ہوتے تھے۔

جنگ موتہ اور اسما بنت عمیس کے شوہر کی شہادت

حضرت اسما رضی اللہ عنہا اور ان کے شوہر نامدار کو مدینہ آئے ہوئے ایک ہی سال گزرا تھا کہ ایک بار پھر ان کی آزمائش کا وقت آ گیا۔ سنہ ۸/ ہجری میں شام کے ایک قصبہ موتہ کے رئیس شرجیل بن عمرو غسانی نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سفیر حضرت حارث بن عمیر ازدی کو شہید کر دیا جو حضور صلی اللہ علیہ وسل کا نامۂ مبارک لے کر حاکم بُصریٰ حارث بن شمر غسانی کو پہنچانے جا رہے تھے۔ شرجیل کی یہ حرکت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سخت ناگوار گزری اور آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے حارث بن عمیر رضی اللہ عنہ کا بدلہ لینے کے لیے تین ہزار مجاہدین کا ایک لشکر مُوتہ کی جانب روانہ کیا۔ اس لشکر کی قیادت حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کر رہے تھے اور اس میں حضرت جعفر رضی اللہ عنہ بھی شامل تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زید رضی اللہ عنہ کو رخصت کرتے وقت فرمایا: اگر لڑائی میں زید شہید ہو جائیں تو جعفر امیر ہوں گے اگر جعفر بھی شہادت پا جائیں تو عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ ان کی جگہ لیں گے۔

موتہ کے علاقے میں ان دنوں اتفاق سے ہرقل شاہ روم بھی آیا ہوا تھا اور بلقا میں مقیم تھا۔ شرجیل نے اس سے مدد مانگی ہرقل نے ایک بھاری لشکر اس کی مدد کے لیے بھیج دیا۔ قیس، جذام، لخم وغیرہ کے جنگجو عیسائی قبائل بھی شرجیل کے جھنڈے تلے جمع ہو گئے۔ اس طرح تین ہزار مسلمانوں کے مقابلے میں دشمن کی تعداد ایک لاکھ سے بھی اوپر تھی۔ موتہ مدینۂ منورہ سے بہت دور تھا اس لیے مزید کمک طلب کرنا ممکن نہ تھا اور پیچھے ہٹنا باعث ننگ۔ مسلمان اللہ کے بھروسے پر غنیم کے ٹڈی دل سے نبرد آزما ہوئے۔ موتہ کے میدان میں نہایت خوں ریز جنگ ہوئی۔ امیر لشکر حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ مردانہ وار لڑتے ہوئے شہید ہو گئے تو حضرت جعفر رضی اللہ عنہ نے علم سنبھالا اور اس جرأت اور پامردی سے لڑے کہ شجاعت بھی آفرین پکار اٹھی۔ تقریباً نوّے زخم اس مردِ حق نے اپنے بدن پر کھائے جن میں کوئی بھی پشت پر نہ تھا۔ ایک ہاتھ قلم ہو گیا تو دوسرے ہاتھ سے علم کو سنبھالا، دوسرا ہاتھ شہید ہوا تو دانتوں میں علم پکڑ لیا۔ دشمن کا ہر طرف سے نرغہ تھا، تیروں اور تلواروں کی بارش ہو رہی تھی۔ آخر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ بازو اور دینِ حق کا یہ سچا علمبردار شہید ہو گیا۔ اب علم حضرت عبداللہ بن رواحہ انصاری رضی اللہ عنہ نے سنبھالا، وہ بھی دادِ شجاعت دے کر شہید ہوئے تو حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے علم سنبھالا اور مسلمانوں کو للکار کر کہا: اے غازیانِ دین! جنّت الفردوس تمہارا انتظار کر رہی ہے اور پیچھے ہٹنے والوں کے لیے جہنّم کے شعلے دہک رہے ہیں۔ آگے بڑھو اور رضائے الٰہی کو پا لو۔

پیارے آقا اشک بار ہو گئے

مسلمانوں نے اب کمر سے کمر جوڑ لی اور ایک نئے عزم اور ولولے کے ساتھ حملہ شروع کیا۔ لڑتے لڑتے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے ہاتھ سے نو تلواریں ٹوٹیں اور بالآخر غازیان دین کی بے پناہ شجاعت نے اپنے سے چالیس گنا جمعیت کو پسپا ہونے پر مجبور کر دیا۔ غنیم کے پسپا ہو جانے کے بعد حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ لشکرِ اسلام کو نہایت وقار کے ساتھ بچا کر واپس لے آئے۔ جس وقت لڑائی کی آگ زور سے بھڑک رہی تھی اللہ تعالیٰ نے میدان جنگ کا نقشہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کر دیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم مسجد نبوی میں تشریف فرما تھے اور صحابۂ کرام کو لڑائی کے حالات اس طرح بتا رہے تھے گویا وہ بالکل آپ کے سامنے ہو رہی ہے۔ جب حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کے دونوں بازو شہید ہو گئے اور انہوں نے جام شہادت پیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھیں اشکبار ہو گئیں اور آپ نے فرمایا: میں جنّت میں حضرت جعفر رضی اللہ کو دو نئے بازوؤں کے ساتھ پرواز کرتے دیکھ رہا ہوں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کے مطابق حضرت جعفر طیّار اور ذوالجناحین کے القاب سے مشہور ہوئے۔ اس کے بعد جب حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے علم سنبھالا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اب اللہ کی تلواروں میں سے ایک تلوار نے علم سنبھالا ہے۔ چنانچہ اس دن سے حضرت خالد رضی اللہ عنہ سیف اللہ کے خطاب سے پکارے گئے۔

اسما بنت عمیس کی گریہ وزاری

اس واقعے کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم حضرت اسما بنت عُمیس رضی اللہ عنہا کے گھر تشریف لے گئے۔ وہ اس وقت آٹا گوندھ چکی تھیں اور بچوں کو نہلا دھلا کر کپڑے پہنا رہی تھیں۔ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے آبدیدہ ہو کر فرمایا۔ جعفر کے بچوں کو میرے پاس لاؤ۔ حضرت اسما رضی اللہ عنہا نے بچوں کو خدمت اقدس میں پیش کیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نہایت غم واندوہ کی حالت میں بچوں کو گلے لگایا اور ان کی پیشانیاں چومیں۔ حضرت اسما رضی اللہ عنہا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے آبدیدہ

ہونے سے پریشان ہوگئیں اور دریافت کیا: یا رسول اللہ! میرے ماں باپ آپ پر قربان آپ غمگین کیوں ہیں؟ کیا جعفر کے بارے میں کوئی خبر آئی ہے؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہاں وہ شہید ہوگئے ہیں۔

اس سانحۂ جاں گداز کی خبر سنتے ہی حضرت اسما رضی اللہ عنہا کی چیخ نکل گئی ان کی گریہ وزاری سن کر پاس پڑوس کی خواتین جمع ہوگئیں۔ رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم واپس تشریف لے گئے اور ازواج مطہرات کو ہدایت فرمائی کے آلِ جعفر کا خیال رکھنا وہ اپنے ہوش میں نہیں ہیں انہیں سینہ کوبی اور بین سے منع کرنا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صبر کی تلقین کی

سیّدۃ النساء حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا کو بھی اپنے شجاع چچا کی مفارقت کا شدید صدمہ ہوا اور وہ **وا عماہ وا عماہ** کہہ کر روتی ہوئی بارگاہِ نبوّت میں حاضر ہوئیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے باچشم پُرنم فرمایا: بیشک جعفر جیسے شخص پر رونے والیوں کو رونا چاہیے۔ اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: فاطمہ! جعفر کے بچوں کے لیے کھانا تیار کرو کیوں کہ اسما آج سخت غمزدہ ہے۔ تیسرے دن حضور صلی اللہ علیہ وسلم پھر حضرت اسما رضی اللہ عنہا کے گھر تشریف لے گئے اور ان کو صبر کی تلقین فرمائی۔

دوسرا نکاح اور محمد بن ابی بکر کی ولادت

حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کی شہادت کے چھ ماہ بعد سنہ ۸/ ہجری (غزوہ حنین کے زمانے) میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت اسما بنت عمیس کا نکاح اپنے محبوب رفیق حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے پڑھا دیا۔ دو برس بعد حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی صلب سے محمد بن ابی بکر پیدا ہوئے۔ حضرت اسما رضی اللہ عنہا حج کے لیے مکہ آئی ہوئی تھیں کہ ذوالحلیفہ میں محمد بن ابی بکر رضی اللہ عنہ کی ولادت ہوئی۔ حضرت اسما رضی اللہ عنہا نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا: **یا رسول اللہ!** اب میں کیا کروں۔ آپ نے فرمایا: غسل کر کے احرام باندھ لو۔

رحمت عالم کے وصال سے اسما بنت عمیس کو صدمہ

سنہ ۱۱/ ہجری میں رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے وصال فرمایا تو حضرت اسما رضی اللہ عنہا پر رنج وغم کا پہاڑ ٹوٹ پڑا۔ ان سے بھی بڑھ کر صدمہ سیّدۃ فاطمۃ الزہراء کو ہوا۔ حضرت اسما رضی اللہ عنہا نے بڑے ضبط سے کام لیا اور اپنے وقت کا بیشتر حصہ حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا کی دل جوئی میں صرف کرنے لگیں۔ تھوڑے ہی عرصے بعد سیّدۃ النساء رضی اللہ عنہا کا وقت آخر بھی آ پہنچا۔ علامہ ابن اثیر نے اسد الغابہ میں لکھا ہے کہ اپنی وفات سے پہلے سیّدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے حضرت اسما بنت عمیس کو بلا بھیجا اور ان سے فرمایا: میرا جنازہ لے جاتے وقت اور تدفین کے وقت پردے کا پورا لحاظ رکھنا اور سوائے اپنے اور میرے شوہر (حضرت علی رضی اللہ عنہ) کے اور کسی سے میرے غسل میں مدد نہ لینا۔ حضرت اسما رضی اللہ عنہا نے کہا: **یا بنت رسول اللہ!** میں نے حبش میں دیکھا ہے کہ جنازے پر درخت کی شاخیں باندھ کر ایک ڈولے کی صورت بنا لیتے ہیں اور اس پر پردہ ڈال دیتے ہیں۔ پھر انہوں نے کھجور کی چند شاخیں منگوائیں، انہیں جوڑا اور ان پر کپڑا تان کر سیّدہ بتول کو دکھایا۔ انہوں نے اسے پسند فرمایا اور بعد وفات ان کا جنازہ اسی طریقے سے اٹھا۔ محدث ابن جوزی اور بعض دوسرے علما نے لکھا ہے کہ سیّدہ فاطمۃ الزہراء کی میّت کو حضرت علی رضی اللہ عنہ، حضرت اسما بنت عمیس رضی اللہ عنہا اور حضرت سلمیٰ امّ رافع رضی اللہ عنہا نے غسل دیا۔

تیسرا نکاح

سنہ ۱۳/ ہجری میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ مرض الموت میں مبتلا ہوئے تو وفات سے پہلے وصیت کی کہ ان کی میت کو اسما غسل دیں چنانچہ حضرت اسما رضی اللہ عنہا نے اسی کے مطابق عمل کیا۔ صدیق اکبر کی وفات کے بعد حضرت اسما رضی اللہ عنہا حضرت علی رضی اللہ عنہ کے نکاح میں آئیں۔ محمد بن ابی بکر کی عمر اس وقت تین برس کی تھی۔ وہ بھی اپنی ماں کے ساتھ آئے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے زیرِ سایہ ہی پرورش پائی۔

دل چسپ لطیفہ

ایک دن عجیب لطیفہ ہوا۔ محمد بن جعفر اور محمد بن ابی بکر اس بات پر جھگڑ پڑے کہ دونوں میں سے کس کا باپ افضل تھا اور کون زیادہ معزز ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے دونوں بچوں کی دلچسپ گفتگو سنی تو حضرت اسما رضی اللہ عنہا سے فرمایا: تم اس جھگڑے کا فیصلہ کرو۔ حضرت اسما رضی اللہ عنہا نے کہا: میں نے نوجوانانِ عرب میں جعفر سے بڑھ کر اعلیٰ اخلاق کا حامل کسی کو نہیں پایا اور بوڑھوں میں ابوبکر سے اچھا کسی کو نہیں دیکھا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے مسکرا کر فرمایا: تم نے ہمارے لیے تو کچھ بھی نہ چھوڑا۔

حضرت اسما رضی اللہ عنہا کے یہاں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی

صلب سے ایک فرزند یحییٰ پیدا ہوئے۔ سنہ ۳۸ ہجری میں حضرت اسما رضی اللہ عنہا کے جوان فرزند محمد بن ابی بکر رضی اللہ عنہ مصر میں قتل ہوئے اور ان کے مخالفین نے ان کی نعش گدھے کی کھال میں جلائی۔ حضرت اسما رضی اللہ عنہا نے یہ روح فرسا خبر سنی تو سکتے میں آ گئیں لیکن نہایت صبر و شکر سے کام لیا اور مصلّےٰ بچھا کر عبادت میں مشغول ہو گئیں۔

اسما بنت عمیس کی وفات

سنہ ۴۰ ہجری میں حضرت علی رضی اللہ عنہ نے شہادت پائی اور ان کے جلد ہی بعد حضرت اسما رضی اللہ عنہا نے بھی پیک اجل کو لبیّک کہا۔ انہوں نے اپنے پیچھے چار لڑکے چھوڑے عبداللہ، محمد اور عون حضرت جعفر کی صلب سے اور یحییٰ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی صلب سے۔ بعض اہل سیر نے لکھا ہے کہ حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کی صلب سے دو لڑکیاں بھی ہوئیں۔

حضرت عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ نے اپنی فیاضی اور سخاوت کی بدولت تاریخ میں شہرت پائی۔ سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم ان سے بڑی محبت کرتے تھے۔ ایک مرتبہ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا: الٰہی! عبداللہ کو جعفر کے گھر کا صحیح جانشین بنا، ان کی بیعت میں برکت عطا فرما اور میں دنیا اور آخرت دونوں میں آل جعفر کا والی ہوں۔ پھر ان کا ہاتھ پکڑ کر فرمایا: عبداللہ صورت اور سیرت میں میرے مشابہ ہیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سالی۔ اسما بنت عمیس

حضرت اسما بنت عمیس کا شمار بڑی جلیل القدر صحابیات میں ہوتا ہے۔ وہ نہایت سلیم الفطرت اور زیرک خاتون تھیں۔ دعوت حق کی ابتدا میں جب کفار مکہ کے قہر و غضب کی بجلیاں تڑپ تڑپ کر مسلمانوں کے خرمن عافیت پر برس رہی تھیں انہوں نے لوائے حق کے تھامنے میں مطلق تامّل نہیں کیا اور بلا کشان اسلام کی اس مقدس صف میں شامل ہو گئیں جس کو ربّ ذوالجلال نے کھلے لفظوں میں اپنی خوشنودی کی بشارت دی ہے۔ یہ ان کے اوصاف و محاسن ہی تھے کہ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے شفیق و مربی چچا رئیس بنو ہاشم جناب ابو طالب نے انہیں اپنی بہو بنایا۔ وہ حضرت جعفر بن ابی طالب کی اہلیہ ہونے کی حیثیت سے سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی بھاوج ہیں۔ امّ المؤمنین حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کی اخیافی بہن ہونے کی نسبت سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سالی بھی ہوتی ہیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اسما بنت عمیس کے بچوں سے محبت

رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم ان پر بڑی شفقت فرماتے تھے اور ان کو بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بے پناہ محبت اور عقیدت تھی۔ انہوں نے محض اللہ اور اللہ کے رسول کی خوشنودی کی خاطر چودہ برس تک حبش میں غریب الوطنی کی زندگی گزاری۔ مسند احمد بن حنبل میں روایت ہے کہ حضرت اسما رضی اللہ عنہا نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے براہ راست فیض حاصل کیا۔ ایک دفعہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں ایک دعا بتائی اور فرمایا کہ مصیبت اور تکلیف کے وقت اس کو پڑھا کرو۔

سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت اسما رضی اللہ عنہا کے بچوں سے بڑی محبت کرتے تھے۔ امام حاکم نے متدرک میں لکھا ہے کہ ایک مرتبہ ان کے کمسن فرزند حضرت عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ بچوں کے ساتھ کھیل رہے تھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم ادھر سے گزرے تو ان کو اٹھا کر اپنے ساتھ سواری پر بٹھا لیا۔

صحیح مسلم میں روایت ہے کہ ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت اسما رضی اللہ عنہا کے بچوں (حضرت جعفر رضی اللہ عنہ) کی اولاد کو دبلا پایا تو حضرت اسما رضی اللہ عنہا سے پوچھا یہ اس قدر کمزور کیوں ہیں؟ انہوں نے عرض کیا: **یارسول اللہ!** ان کو نظر بہت لگتی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ان پر دم کیا کرو۔ حضرت اسما رضی اللہ عنہا نے ایک خاص کلام پڑھ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو سنایا اور پوچھا: **یا رسول اللہ!** یہ نظر لگنے کے لیے مفید بتایا جاتا ہے کیا یہ پڑھ لیا کروں؟ چونکہ اس کلام میں شرک کی آمیزش نہیں تھی اس لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اچھا یہی سہی۔

روایت کردہ احادیث

حافظ ابن حجر نے الاصابہ میں لکھا ہے کہ حضرت اسما رضی اللہ عنہا تعبیر رویا میں بھی درک رکھتی تھیں چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ ان سے اکثر خوابوں کی تعبیر پوچھا کرتے تھے۔ حضرت اسما رضی اللہ عنہا سے ساٹھ احادیث مروی ہیں۔ ان کے راویوں میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ، حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ اور حضرت موسیٰ اشعری جیسے جلیل القدر صحابہ اور کئی بلند مرتبہ تابعین شامل ہیں۔

﴿.....﴾

چمن ملت کے نوخیز شگوفو!

از: مولانا افروز قادری چریاکوٹی

دنیاے عیسائیت کے نصاب پر نظر رکھنے والوں کو پتا ہوگا کہ وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے اَقوال و اَحوال کو اپنی اِبتدائی کتابوں (Elementary Books) میں کس خوبصورتی سے شامل کر کے انھیں بچوں کے ذہن وفکر کی خوراک بنا دیتے ہیں پھر وہ بچہ پوری زندگی انھیں تعلیمات کے اِردگرد گھومتا نظر آتا ہے۔ میں نے چاہا کہ بتوفیق اِلٰہی میں بھی اپنے پیارے نبی علیہ السلام کی باتیں کچھ اسی انداز سے واقعاتی شکل میں اپنے مسلمان بچوں کے روبرو پیش کروں شاید یہ طرز اُن کے لیے کامیاب زندگی کا پیش خیمہ ثابت ہو اور نسبتِ رسول کے گلاب عہد طفولیت ہی سے اُن کے قلب وشعور میں مہکنا شروع کر دیں۔ ماہنامہ 'سنی دعوتِ اسلامی' کی شدید خواہش پر میری مطبوعہ کتاب 'بچوں کی اَخلاقی تربیت کے لیے کہانیوں کے ساتھ چالیس حدیثیں' کی اِشاعت کی اِجازت دی جاتی ہے۔- چریاکوٹی-

جھوٹ کی شامت

ایک دن ایک عورت اور مرد اپنا ایک مقدمہ لے کر کورٹ میں پہنچے۔ جج آیا اور سماعت شروع ہوگئی۔ پہلے عورت نے اپنا بیان دیا اور اپنے بغل میں کھڑے لاغر سے مرد کی طرف انگلیوں سے اِشارہ کرتے ہوئے کہا کہ اس نے میری آبرو پر حملہ کیا ہے اور میری عزت خاک میں ملا کر رکھ دی ہے۔ مرد نے اپنا دفاع کرتے ہوئے کہا: یہ جھوٹ بول رہی ہے سچی بات یہ ہے کہ اپنی بکریاں بیچنے کے بعد میں پیسوں کی گنتی میں لگا ہوا تھا کہ اِتنے میں یہ آئی اور پیسہ دیکھ کر اپنی نیت خراب کر بیٹھی۔ پھر اُس نے مجھے دھمکی دینا شروع کر دی کہ اگر تم مجھے یہ پیسے نہیں دیتے تو میں تمہارے لیے بڑے مسائل کھڑی کر دوں گی۔ جب میں نے پیسے دینے سے اِنکار کر دیا تو اس نے رونا دھونا شروع کر دیا۔

دونوں کا بیان سننے کے بعد جج اِس نتیجے پر پہنچ گیا کہ کون جھوٹا ہے اور کون سچا مگر اس کے باوجود اس نے کہا کچھ نہیں۔ تھوڑی دیر کے بعد جج مرد کی طرف متوجہ ہوا اور غصے سے کہا کہ تم نے اِس بے چاری پر حملہ کر کے اِس کی عزت خاک میں ملا دی اور پھر میرے پاس جھوٹ کا پلندہ لے کر آئے ہو۔ خیریت اِسی میں ہے کہ جو کچھ پیسے تمہارے جیب میں ہیں سب اِس عورت کے حوالے کر دو ورنہ تمھیں حوالات کی نذر کر دیا جائے گا۔

یہ سن کر ہر شخص حیرت میں پڑ گیا کیوں کہ وہ سوچ بھی نہیں سکتے تھے کہ جج کا ردعمل کچھ ایسا ہوگا۔ بہر حال! عورت نے خوشی خوشی مرد سے پیسے وصول کیے اور جج کی تعریف کرتے ہوئے کورٹ سے باہر چلی گئی۔ عورت کے باہر نکلتے ہی جج نے مرد سے کہا کہ جاؤ اس کا پیچھا کرو اور جس طرح بھی ہو سکے اپنے پیسے اس سے واپس لینے کی کوشش کرو۔ یہ سن کر مرد ایک بار پھر چونکا مگر چوں کہ جج کا حکم تھا اس لیے جلدی سے نکل کھڑا ہوا اس اُمید پر کہ شاید پیسے واپس مل جائیں۔ ابھی تھوڑی ہی دیر ہوئی تھی کہ دونوں پھر کورٹ میں پیش کیے گئے لیکن اس بار اس مرد کا بُرا حال تھا کیوں کہ اُس کے چہرے سے خون بہہ رہا تھا، کپڑے پھٹے ہوئے تھے اور جسم کئی جگہ زخمی ہو گیا تھا۔

عورت نے غضبناک لہجے میں پہلے اپنی صفائی دینی شروع کی کہ جج صاحب! جو پیسے آپ نے مجھے دلوائے تھے یہ بے رحم اِنسان مجھ سے وہ چھیننے کی کوشش کر رہا تھا۔

جج نے اس سے پوچھا: کیا اس نے اسے چھیننے کی کوشش کی تھی؟

عورت نے کہا: بالکل، لیکن میں نے اس میں سے اسے ایک آنا بھی لینے نہ دیا۔ یہ سن کر جج عورت کی طرف متوجہ ہوا اور اسے ڈانٹتے ہوئے بولا: بے شرم جھوٹی عورت! تم پہلی مرتبہ ایک شریف عورت کی طرح کس طرح دعویٰ کر رہی تھی کہ اس مرد نے تم پر حملہ کیا ہے۔ اگر وہ بات واقعتاً سچی ہوتی تو تم اِن پیسوں کے مقابلے میں اپنی عزت و ناموس کے بچاؤ کے لیے زیادہ بے جگری سے لڑتیں کیوں کہ یہ پیسے تو

تمہارے تھے بھی نہیں اور تم نے انہیں بچانے کے لیے اس مرد کو لہولہان کر دیا۔ یہ کام تو تم کو پہلے کرنا تھا یہی تمہارے جھوٹ کے لیے کافی ہے۔ اب خیر اسی میں ہے کہ تم جلدی سے اِس آدمی کے پیسے اس کے حوالے کر دو۔

پیارے بچو! قبل اس کے کہ عورت اپنی صفائی کے لیے کوئی عذر پیش کرتی جج نے اُسے پیارے آقا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی یہ حدیث سنادی: ''جھوٹ بولنے سے بچو کیوں کہ جھوٹ بدی کی راہ دکھاتا ہے اور بدی جہنم میں لے جاتی ہے۔

اِیَّاکُمْ وَالْکِذْبَ فَاِنَّ الْکِذْبَ یَھْدِیْ اِلٰی الْفُجُوْرِ اِنَّ الْفُجُوْرَ یَھْدِیْ اِلٰی النَّارِ (صحیح مسلم: ۱۳/۱۶، حدیث: ۴۷۲۱)

نیکی کا بدلہ

ایک نیک بادشاہ رات کو بھیس بدل کر گشت کیا کرتا تھا تاکہ لوگوں کا اصلی حال دیکھ کر جہاں تک ہوسکے ان کی تکلیفیں دور کر دیا کرے۔ جاڑے کے موسم میں وہ ایک رات شہر کے باہر کسی ویران مکان کے پاس سے گزر رہا تھا کہ دو آدمیوں کے بولنے کی آواز آئی۔ کان لگا کر سنا تو ایک آدمی کہہ رہا تھا۔ لوگ بادشاہ کو خدا ترس کہتے ہیں مگر یہ کہاں کی خدا ترسی ہے کہ وہ تو اپنے محلوں میں نرم و گرم بستروں پر سو رہا ہو اور مسافر جنگل کی اِن برفانی ہواؤں میں مریں۔ خدا کی قسم! اگر قیامت کے دن وہ بہشت میں بھیجا گیا تو میں اُسے کبھی نہ جانے دوں گا۔

دوسرے نے کہا: اَرے بھائی! حکومت میں خدا ترسی کہاں؟ یہ خوشامدیوں کی باتیں ہیں۔ یہ سن کر نیک بادشاہ واپس چلا آیا اور محل میں پہنچ کر حکم دیا کہ دو غریب مسافر جو شہر کے باہر فلاں جگہ پڑے ہوئے ہیں انہیں اِسی وقت لے آؤ اور کھانا کھلا کر آرام سے سلا دو۔ چنانچہ فوراً حکم کی تعمیل ہوگئی۔

جب صبح دن چڑھا تو بادشاہ نے مسافروں کو بلا کر کہا: بھائیو! شہر کے باہر تمہیں تکلیف تو ضرور ہوئی مگر یہ تمہارا قصور تھا کہ گیارہ بجے رات تک بھی شہر میں نہ آئے اور دروازہ بند ہوگیا پھر بھی میں نے آج شہر کے باہر ایک سرائے بنانے کا حکم دے کر تم سے صلح کر لی ہے۔ امید ہے کہ تم بھی اب قیامت کے دن مجھ سے دشمنی نہ رکھو گے۔

مسافروں نے شرمندگی سے سر نیچا کر لیا اور بادشاہ کی نیکی کے گیت گاتے ہوئے اپنے گھروں کو چلے گئے۔

''جو کسی مومن کی کوئی دنیاوی تکلیف دور کرے اللہ تعالیٰ عرصۂ قیامت کی اس کی بڑی مشکلیں آسان فرما دے گا''

مَنْ نَفَّسَ عَنْ مُؤْمِنٍ کُرْبَۃً مِنْ کُرَبِ الدُّنْیَا نَفَّسَ اللّٰہُ عَنْہُ کُرْبَۃً مِنْ کُرَبِ یَوْمِ الْقِیَامَۃِ (صحیح مسلم: ۱۳/۲۱۲، حدیث ۴۸۶۷)

تکبر کی عادت

عالیہ ایک بہت ہی مغرور اور گھمنڈی قسم کی لڑکی تھی لیکن جب اس کے باپ کا انتقال ہو گیا تو اس پر اس کا بڑا گہرا اَثر پڑا۔ وہ ہمیشہ اپنے باغ میں تن تنہا کھیلا کرتی تھی محلے کی کسی لڑکی سے اس کا کوئی ربط ضبط نہ تھا حتیٰ کہ بغل کے گھر والی بدریہ سے بھی وہ بات چیت نہیں کرتی تھی۔ بدریہ کا قصور یہ تھا کہ وہ غریب گھر میں پیدا ہوئی تھی۔ ایک دن بدریہ دوڑتی ہوئی عالیہ کے باغ میں آئی اور کہنے لگی: عالیہ! میرے والد سخت بیمار ہیں کسی لمحے اُن کا دم نکل سکتا ہے۔ نہ معلوم کیوں وہ اس عالم میں تم سے ملنا چاہتے ہیں وہ تم سے کوئی اہم وصیت کرنا چاہتے ہیں۔

عالیہ نے وہی اپنے پرانے مغرورانہ انداز میں کہا: تمہارے باپ کی طرح مفلس آدمی سے کیا کسی اہم بات کی توقع رکھی جاسکتی ہے اور پھر تمہارے گھر سے ایسی بدبو پھوٹتی ہے کہ کوئی عزت دار انسان اس کے قریب بھی نہیں جانا چاہے گا۔

بدریہ ناامید ہو کر چلی گئی مگر تھوڑی ہی دیر کے بعد پھر بھیگی پلکوں کے ساتھ آئی اور آکر کہنے لگی: میرے والد واقعتاً کوئی اہم بات تم سے کہنا چاہتے ہیں۔ اصل میں تمہارے باپ نے اپنی موت سے تھوڑی دیر قبل کچھ سونا کہیں دفن کر دیا تھا اور اس راز کی خبر میرے والد کے علاوہ کسی کو نہیں ہے۔ تمہارے باپ نے میرے والد سے کہا تھا کہ عالیہ جب تک بڑی نہ ہو جائے اس وقت تک اس سے یہ راز نہیں بتانا لیکن چوں کہ اب ان کے چل چلاؤ کا وقت آگیا ہے تو وہ چاہتے ہیں کہ تم کو اس سے آگاہ کر دیں۔ برائے کرم جلدی کرو۔

بدریہ کی بات سن کر عالیہ دوڑ پڑی مگر بہت دیر ہو چکی تھی اور وہ مفلس آدمی موت کی آغوش میں سو چکا تھا۔ عالیہ کو اپنی حرکت پر بہت غصہ آیا اور وہ خود کو کوس رہی تھی۔

پیارے بچو! عالیہ نے کیا صرف سونا ہی کھویا۔ نہیں بلکہ اس نے

اپنے غرور وگھمنڈ کی پرانی عادت کی وجہ سے جنت پانے کا موقع بھی گنوادیا۔

پیارے آقا صلی اللہ علیہ سلم نے کتنا اچھا پیغام اُمتیوں کو دیا ہے:''وہ جنت میں نہیں جاسکتا جس کے دل میں ذرہ برابر بھی گھمنڈ ہو''

لَا یَدْخُلُ الْجَنَّةَ مَنْ کَانَ فِیْ قَلْبِہٖ مِثْقَالُ ذَرَّةٍ مِنْ کِبْرٍ

(صحیح مسلم:۱/۲۴۷،حدیث:۱۳۱)

سچائی کی جیت

فہمی ایک غریب انسان کا بیٹا تھا مگر ایک اچھے ماحول میں اُس کی تربیت ہوئی تھی۔ماں باپ چوں کہ نیک اور شریف تھے اس لیے سچائی اور دیانت داری فہمی کی گھٹی میں پڑی تھی۔ایک دن ایسا ہوا کہ مدرسے سے لوٹتے وقت فہمی اپنا قلم کہیں کھو بیٹھا۔ادھر ادھر بہت تلاش کیا مگر کہیں وہ قلم نہ ملا بالآخر اسی غم میں وہ گلی کے ایک کنارے پر بیٹھ کر رونے لگا۔ایک خوش لباس آدمی جب وہاں سے گزرا تو بچے کو روتا ہوا دیکھ کر وہ رک گیا اور اس سے رونے کا سبب دریافت کرنے لگا۔جب اس شریف آدمی کو فہمی کا مسئلہ معلوم ہوا تو اس نے اپنی جیب سے ایک قلم نکالتے ہوئے پوچھا:تمہارا گمشدہ قلم یہ تو نہیں ہے؟

فہمی نے روتے ہوئے جواب دیا:نہیں یہ نہیں ہے۔میرا قلم اتنا خوبصورت اور اتنا اچھا نہیں تھا۔شریف آدمی نے فہمی کی تعریف کرتے ہوئے کہا:چوں کہ تم ایک ایمان دار بچے ہو اور تم نے مجھ سے سچ سچ بتایا ہے لہٰذا صلے میں تمہیں یہ قلم دیا جارہا ہے اسے قبول کرلو اور خوشی خوشی گھر جاؤ۔

پیارے بچو! تم نے دیکھا کہ سچائی کی جیت کیسے ہوئی اور سچ بولنے کے نتیجے میں اُسے کیا اِنعام ملا؟ اسی لیے تو ہمارے پیارے نبی حضور رحمت عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ہمیں سچ بولنے کی نصیحت فرمائی ہے:

سچ بولنے کی عادت بناؤ کیوں کہ سچائی نیکی کی راہ دکھاتی ہے اور نیکی جنت میں لے جاتی ہے۔

عَلَیْکُمْ بِالصِّدْقِ فَاِنَّ الصِّدْقَ یَھْدِیْ اِلَی الْبِرِّ وَاِنَّ الْبِرَّ یَھْدِیْ اِلَی الْجَنَّةِ (صحیح مسلم:۱۳/۱۶،حدیث:۴۷۲۱)

☆☆☆

بیش قیمت جملے

☆شکر ہے کہ ذہنوں کی دنیا سب سے چھپی رہتی ہے۔ہم جو سوچتے ہیں اس کے بارے میں کسی کو کچھ پتہ نہیں ہوتا۔

☆شک کی بنیاد خرافات پر ہوتی ہے جن کے پیروں تلے وسوسوں اور اندیشوں کے دلدل ہوتے ہیں۔

☆معتبر انسان کی عظمت نظر کے آگے دل جھک جاتے ہیں۔

☆رشتوں اور محبتوں کو تحفوں کی ضرورت نہیں ہوتی وہ تو اعتماد کی مٹی میں پنپتے ہیں۔

☆محفل اچھی ہونے کی اہمیت اس بات پر ہوتی ہے کہ محفل میں موجود لوگ کیسے تھے۔

☆چالاکی اور بے ایمانی فطرت میں نقب لگادیتی ہے۔

☆سمندر کی تہہ میں کیا ہے؟اس کا اندازہ ساحل کی رنگینیوں سے نہیں لگایا جاسکتا۔

☆طاقتور بہادر نہیں ہوتا بہادر تو وہ ہوتا ہے جس میں ضبط وتحمل ہوتا ہے۔

☆عقل ودانش الفاظ میں نہیں بلکہ لفظوں کے معنی میں پنہاں ہوتی ہے۔

☆مکمل شخصیتیں وہ ہوتی ہیں جن کا نام مخالف حلقے میں بھی عزت سے لیا جاتا ہے۔

پیش کش:سعدیہ مشتاق

☆☆☆

ذرا غور تو کیجیے

☆جھنجھلاہٹ کا سب سے مؤثر علاج ایک دوست ہوتا ہے جس پر چیخنے چلانے کے بعد آپ اس کی گود میں سر رکھ کر ڈھیر سارا رو سکیں۔

☆خاموشی ایک ایسا پردہ ہے جس کے پیچھے لیاقت بھی ہوتی ہے اور حماقت بھی ہوسکتی ہے۔

☆ہلکی پھلکی بات، ہلکے پھلکے کھانے کی طرح جلدی ہضم ہوجاتی ہے۔

☆نالائق بیٹا چھٹی انگلی کی طرح ہے اگر کاٹ دیا جائے تو درد ہوتا ہے اور اگر رہنے دیا جائے تو عیب دار ہوتا ہے۔

☆زندگی میں قسم، قلم اور قدم بہت سوچ سمجھ کر اٹھانا چاہیے۔

مرسلہ:سیدہ شفق مشرف،امراوتی

﴿......﴾

عقائد کو پختہ تر کرنے والی کتاب
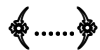
عقائد اسلامی

مرتبین: فارغین جامعہ غوثیہ نجم العلوم، ممبئی

از: صادق رضا مصباحی

پچھلے کئی سالوں سے فکری بیداری کی لہر کچھ اس انداز سے چلی ہے کہ جمود و تعطل کا شیرازہ بکھر رہا ہے۔ حالاں کہ ابھی بھی جمود و تعطل ڈیرہ جمائے بیٹھا ہے اور ہمارے کاموں میں یہ ایک بڑی رکاوٹ ہے مگر پھر بھی بہت حد تک برف پگھل چکی ہے۔ ہمیں یاد رکھنا چاہیے کہ منزل مقصود پر قدم رکھنے کے لیے اس کو راستے سے ہٹانا نہایت ضروری ہے۔ الحمدللہ! بعض طلبۂ مدارس اسلامیہ فکری انجماد کی دیواریں پھاند کر اب کھلی فضا میں سانسیں لینے لگے ہیں اور ملت اسلامیہ کے لیے کچھ کرنا چاہتے ہیں۔ سنی دعوت اسلامی کا مرکزی ادارہ جامعہ غوثیہ نجم العلوم، ممبئی بھی انہیں بافیض اداروں میں سے ہے اور اس کے طلبہ نہایت سعادت مند۔ گزشتہ سال (۲۰۱۰ء) میں فارغ ہونے والے طلبہ نے مشترکہ طور پر ایک کتاب مرتب کی۔ ''عقائد اسلامی'' نام کی یہ کتاب عقائد کو پختہ تر کرنے والی ایک عمدہ اور اہم کتاب ہے جسے خاص طور سے عوام الناس کے لیے مرتب کیا گیا ہے۔ فتاویٰ رضویہ (مترجم تیس جلدوں) سے ماخوذ یہ عقائد اسلامیہ ہمارے عوام و خواص کے اعتقادی محاذ کو پختہ کریں گے۔ امام احمد رضا وسیع النظر تھے، مختلف جہتوں میں دور تک ان کی نگاہ پہنچتی تھی اور ان کی فکرِ رسا حیرت انگیز طور پر متعدد زاویوں پر حاوی تھی۔ فتاویٰ رضویہ ایک سمندر ہے اس میں قارئین کو ہر طرح کے علمی جواہر پارے ملیں گے اس کے متن سے گزریے تو ایسا لگتا ہے کہ علم کا ایک ٹھاٹھیں مارتا سمندر ہے۔ جامعہ غوثیہ نجم العلوم کے ہونہار طلبہ نے فتاویٰ رضویہ سے عقائد کے موتی چنے اور انہیں عقائد اسلامی کی شکل میں سلکِ تحریر میں پرو دیا۔ ہر طالب علم کو ایک ایک یا مختلف جلدیں دی گئی تھیں اور انہیں اس کا مطالعہ کر کے عقائد کے مضامین منتخب کرنا تھے۔ یہ کام انہوں نے بڑی خوبی اور خوش سلیقگی سے پورا کر دیا۔ حالاں کہ ابھی بھی بہت سارے عقائد رہ گئے ہیں لیکن پھر بھی اس موضوع کا ایک معتد بہ حصہ شامل کتاب ہو گیا ہے۔ یہ بہت اہم کاوش ہے اس کی قدر کی جانی چاہیے۔

۲۰۰ رصفحات کی اس کتاب کی مقبولیت کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ ایک سال کے اندر اندر اس کا پہلا ایڈیشن ختم ہو گیا اب اس کا دوسرا ایڈیشن چھپ کر منظر عام پر آ گیا ہے اور یہی میرے پیش نظر ہے۔ ان مرتبین سعادت مند طلبہ کے چہرے بھی دیکھتے چلیں۔

محمد غوث محی الدین، محمد سرفراز رضوی، محمد نفیس رضوی، محمد ممتاز رضوی، غلام ربانی نوری، محمد اعجاز نظامی، محمد اسماعیل رضوی، محمد اویس نوری، محمد جنید رضا، محمد نعیم اختر رضوی۔

تقسیم کار میں بلا شبہ بڑی برکتیں ہیں۔ اس کی ایک عمدہ مثال یہ کتاب ہے۔ اصل کتاب صفحہ ر۳۳ سے شروع ہوتی ہے۔ مولانا محمد توفیق احسن برکاتی مصباحی استاذ جامعہ غوثیہ نجم العلوم نے تقدیم لکھ کر طلبہ کی حوصلہ افزائی بھی کی ہے اور کتاب کے منظر، پس منظر کو بھی اچھی طرح واضح کر دیا ہے۔ دراصل اس کتاب کے محرک اور روح رواں یہی ہیں۔ قابل مبارک باد ہیں مولانا موصوف اور ان کے یہ ہونہار طلبہ کہ انہوں نے اچھا عنوان منتخب کیا اور ایک عمدہ کتاب ہمارے سامنے پیش کی۔ اگر کتاب کی تسہیل و تخریج بھی ہو جاتی تو اس کی اہمیت دو چند ہو جاتی۔ ہمیں امید ہی نہیں یقین ہے کہ طلبہ کا تدوین و ترتیب اور تصنیف و تالیف کا یہ سفر ہمیشہ جاری رہے گا اور یہ ہونہار اور بافیض طلبہ جواب مختلف مدارس و مراکز میں تدریس و تبلیغِ دین میں سرگرم عمل ہیں، خاموش نہیں بیٹھیں گے بلکہ یہ کاوش ان کو ہر پل عمل کی تحریک دیتی رہے گی اور ان کے بعد فارغ ہونے والے طلبہ بھی اس سے کمک حاصل کیے بغیر نہیں رہیں گے۔

کاغذ اچھا ہے اور ٹائٹل دیدہ زیب۔ مولانا مظہر حسین علیمی استاذ جامعہ غوثیہ نجم العلوم نے نظر ثانی کر کے اس کو ہر ممکنہ غلطی سے پاک کرنے کی کوشش کی ہے۔ اسے سنی دعوت اسلامی کے اشاعتی ادارے (ادارہ معارف اسلامی) نے شائع کیا ہے۔ باذوق قارئین مکتبہ طیبہ ۱۲۶ رکامبیکر اسٹریٹ ممبئی ۳ یا 022-23451292 پر فون کر کے براہ راست کتاب کے مطالعے سے اپنا اپنا کاشانۂ معلومات پُر نور بنا سکتے ہیں۔

سنی دعوت اسلامی کا اکیسواں سالانہ عالمی اجتماع

لاکھوں فرزندانِ توحید کی شرکت سے آزاد میدان بقعۂ نور بن گیا

تفصیلی رپورٹ

از: ادارہ

۲۱/اکتوبر۲۰۱۱ء بعد نماز جمعہ تین بجے عالمی تحریک سنی دعوت اسلامی کا سہ روزہ بین الاقوامی روح پرور اکیسواں سالانہ سنی اجتماع تلاوت قرآن مع ترجمہ کنزالایمان سے شروع ہوا۔ اس اکیسویں سالانہ سنی اجتماع میں ممبئی و مضافات ممبئی سے لاکھوں کی تعداد میں خواتین اسلام نے شرکت کی۔ جمعیۃ القراء کے صدر حضرت قاری محمد ریاض الدین اشرفی نجمی نے اپنی مسحور کن آواز میں سورہ رحمٰن کی چند آیات تلاوت کیں اور حافظ محمد افضل برکاتی نجمی نے اردو اور بلبل باغ مدینہ الحاج رضوان صاحب نے انگلش میں اس کا ترجمہ پیش کیا۔ پھر آپ نے قصیدہ بردہ شریف سے برکتیں حاصل کیں۔ بعدہٗ شہزادہ شہید راہ مدینہ معین المشائخ الحاج محمد معین الدین اشرف اشرفی الجیلانی نے دعائیہ کلمات ارشاد فرمائے جس میں آپ نے عالم اسلام بالخصوص شرکائے اجتماع و سنی دعوت اسلامی کے لیے دعائیں فرمائیں۔ پھر الحاج رضوان خان صاحب نے ''صلہ رحمی کی اہمیت'' کے تعلق سے درس میں کہا کہ شب براءت جیسی مقدس شب میں عادی شرابی، زنا کار اور رشتہ توڑنے والے کی بخشش نہیں ہوتی جب تک وہ سچے دل سے توبہ نہ کرلیں۔ آپ نے خواتین اسلام سے کہا کہ وظائف کا بھرپور فائدہ آپ کو اسی وقت ہوسکتا ہے جب آپ نمازوں کی پابندی کریں گی۔ آج کے اجتماع میں خواتین پولیس کے علاوہ تین سو سے زائد خواتین رضا کار اجتماع گاہ میں نظم ونسق صحیح رکھنے کے لیے تعینات تھیں۔ محقق مسائل جدیدہ حضرت مفتی محمد نظام الدین رضوی (جامعہ اشرفیہ مبارک پور) نے درجنوں اہم سوالات کے شرعی جواب دیے۔ مثلاً پوچھا گیا کہ عورت باوضو تھی اور اسی حال میں بچے کو دودھ پلا دیا تو کیا وضو ٹوٹ جائے گا؟ مفتی صاحب نے فرمایا کہ وضو نہیں ٹوٹے گا۔ پوچھا گیا کہ عورتوں کا بیوٹی پارلر میں جانا اور وہاں اجنبی عورتوں یا مردوں کے ذریعے آرائش و زیبائش کرانا کیسا ہے؟ آپ نے جواب میں فرمایا کہ عورتوں کو بیوٹی پارلر جہاں اجنبی مردوں سے سامنا ہوتا ہے جانا ناجائز و حرام ہے عورتوں کو چاہیے کہ اپنے گھروں میں زیب و زینت کریں۔ آپ نے ایک سوال کے جواب میں فرمایا کہ بلا ضرورت حمل والی کو سونوگرافی نہیں کرانی چاہیے اور اگر اس لیے سونوگرافی کرائی کہ جنس معلوم ہوجائے اور لڑکی حمل میں ہو تو اس حمل کو گرا دیا جائے یہ ناجائز و حرام ہے۔

اس اجتماع سے خطاب کرتے ہوئے ورلڈ اسلامک مشن کے جنرل سکریٹری مفکر اسلام حضرت علامہ قمرالزماں خاں اعظمی نے فرمایا کہ دین کی دعوت صرف مردوں کی ذمے داری نہیں ہے بلکہ اگر آپ تاریخ رسالت کا مطالعہ کریں تو آپ کو معلوم ہوگا کہ ہر دور میں خواتین اسلام نے اپنی ذمہ داریاں اپنے اپنے دائرعمل میں رہ کر پوری کرنے کی کوشش کی ہے۔ کم و بیش دو صدیوں سے مسلمان دنیا بھر میں روبہ زوال ہیں، مسلم معاشرہ شکست و ریخت کا شکار ہے، خواتین نے بھی اپنی ذمے داریاں فراموش کردی ہیں اس لئے وہ نتائج برآمد نہیں ہورہے ہیں جو برآمد ہونے چاہئے اگر خواتین بھی مبلغات کی حیثیت سے دنیا کو دعوت دیں تو ضرور فائدہ ہوگا۔ اگر خواتین فکر اور ادب میں ماہر تھیں تو انہوں نے فقہا اور ادبا پیدا کئے اور مفکرین اسلام کو جنم دیا، اگر ان میں شعور فلسفہ تھا تو فلسفی پیدا کئے۔ مثال دیتے ہوئے آپ نے فرمایا کہ حضور غوث اعظم رحمۃ اللہ علیہ، حضور خواجہ غریب نواز رحمۃ اللہ علیہ، حضرت بابا فریدالدین گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ کو بھی ماؤں نے ہی انہیں تربیت دی تھی، جب سے عورتوں نے اپنی ذمے داریاں فراموش کردی ہیں وہ نسل ہی ختم ہورہی ہے۔ کبھی گھر جنت ہوا کرتا تھا لیکن آج 90 فیصد گھر جہنم بن چکے ہیں اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ اسلامی ضابطوں کو فراموش کیا جارہا ہے دولت کی فراوانی تو ہورہی ہے لیکن آج سکون نہیں ہے۔ ایک دور وہ تھا جب ہمارے گھر کی خواتین دنیا کی دیگر خواتین کے لئے نمونہ تھیں، دوسری خواتین بھی ہمارے معاشرے کی تقلید کرتی تھیں دنیا میں کوئی ایسا معاشرہ نہیں ہے جو اسلامی تعلیمات سے بہرہ ور نہیں ہے دنیا نے اسلام سے ہی سب کچھ سیکھا لیکن ایک ایسا وقت آیا کہ ہم نے اپنی تہذیب کو فراموش کردیا اور ہم نے دوسروں کی تقلید شروع کردی ہم میں فحاشیت و دیگر برائیاں عام ہوئیں اب عالم یہ ہے کہ اب ہمارے گھروں میں

اندھیرا ہے، آج بھی اگر اسلامی تعلیمات ہمارے گھروں میں آجائے تو پھر وہی معاشرہ پیدا ہوگا۔ جب سے ہم نے مغرب کی تقلید کرنا شروع کر دی ہے کوئی ایک بھی غزالی پیدا نہیں ہوا۔ اگر مائیں بہتر ہو جائیں حضرت حوا رضی اللہ عنہا کی صحیح بیٹیاں بن جائیں تو آج بھی دنیا کو جنت میں تبدیل کرسکتی ہیں۔

تحریک سنی دعوت اسلامی کے روح رواں حضرت مولانا محمد شاکر نوری رضوی نے خواتین اسلام سے اپنے پیغام میں فرمایا کہ: جو شخص اللہ ورسول جل جلالہ وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اطاعت کرے اللہ اسے بڑی کامیابی عطا فرماتا ہے، آج اعضائے جسمانی میں سب سے زیادہ نافرمانی کے کام زبان کے ذریعہ ہوتے ہیں۔ زبان کے متعلق اللہ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: جتنے لوگ جہنم میں جائیں گے ان میں اکثریت ان لوگوں کی ہوگی جو اپنی زبان کی وجہ سے جہنم میں جائیں گے۔ موصوف نے حدیث پاک کے حوالے سے کہا کہ جو شخص اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہو اس کو چاہیے کہ وہ یا تو اچھی بات کہے یا خاموش رہے۔ بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ خواتین اپنی زبان کے بعض جملوں کی وجہ سے جہنم کی مستحق ہو جاتی ہیں اور بعض خواتین اچھے جملوں کی وجہ سے جنت کی حق دار ہو جاتی ہیں، لہٰذا اے خاتون جنت کی کنیزو! کوشش کرو کہ زبان یا تو اچھی باتوں کے لیے کھولو یا پھر چپ رہو۔ پہلے روز خواتین کا اجتماع امیر سنی دعوت اسلامی کی رقت انگیز دعا اور صلوٰۃ وسلام پر اختتام پذیر ہوا۔

عالمی سُنّی اجتماع کا دوسرا روز:

عالمی اجتماع کے دوسرے دن صبح ہی سے ملک بھر سے عوام وخواص کا جم غفیر وادی نور آزاد میدان میں موجود تھا۔ اس روز اجتماع کا آغاز نمازِ تہجد سے ہوا۔ اس موقع پر نمازِ تہجد کے فضائل ومسائل اور اس کی ادائیگی کا طریقہ بتایا گیا۔ اذانِ فجر کے بعد باجماعت نماز ادا کی گئی۔ نمازِ فجر کے بعد نماز اشراق وچاشت کے فضائل ومسائل اور ان کی ادائیگی کا طریقہ بتایا گیا۔ پھر ناشتے اور آرام کا وقفہ دیا گیا۔ سورت گجرات سے آئے ہوئے حافظ محمد امین صاحب مبلغ سُنّی دعوتِ اسلامی نے ''عبادت میں اخلاص'' کی اہمیت پر بیان میں انہوں نے کہا کہ عبادت میں اگر اخلاص نہ ہو تو وہ عبادت قبول نہیں ہوتی۔ اس کے بعد مبلغین نے اپنے اپنے حلقوں میں لوگوں کو سنتیں اور دعائیں سکھائیں۔ اس دوران محمد امتیاز رضوی (بھیونڈی) نے بھی بڑا موثر خطاب کیا۔ پھر نعت رسول کے بعد مولانا ابوالحسن نوری نجمی نے'' ترکِ نماز پر وعیدیں'' اور محمد صادق رضوی نے'' حالاتِ حاضرہ میں اصلاحِ معاشرہ کی اہمیت'' پر بڑا پُرمغز بیان کیا۔ دبئی سے آئے ہوئے عالمِ دین مولانا اختر رضا نجمی نے ''سنّتوں کی اہمیت'' پر خطاب کیا اور قرآن وحدیث کی روشنی میں واضح کیا کہ سنتوں پر عمل کتنا ضروری ہے۔ حضرت مولانا مفتی محمد زبیر برکاتی مصباحی نے ''تقلید ضروری کیوں ہے؟'' پر مدلل گفتگو فرمائی۔ ڈاکٹر شیخ احمد (ہیڈ آف دی ڈپارٹمنٹ کیمسٹری، مہاراشٹرا کالج، ممبئی) نے ''دیگر مذاہب کی کتب میں نبی کریم ﷺ کا تذکرہ'' کے موضوع پر مستند حوالوں کی روشنی میں انگریزی و اردو میں بیان کیا۔ مولانا فیاض احمد رضوی (جودھ پور، راجستھان) نے ''پڑوسیوں کے حقوق'' پر تفصیلی خطاب کیا۔ مولانا مفتی شمس الدین رضوی (مکرانہ، راجستھان) نے عشقِ رسول ﷺ کے حوالے سے سیرتِ رسول سے چنندہ واقعات بتاتے ہوئے مسلمانوں کو عشقِ رسول کے تقاضوں سے آگاہ کیا اور آپ نے کہا کہ سنّی دعوتِ اسلامی احیائے عشقِ رسول ﷺ کی عالم گیر تحریک ہے اس سے اپنی اور اپنی اولاد کی وابستگی مضبوط کرو۔

نمازِ عصر کے بعد شرعی عدالت (سوال و جواب) کا سلسلہ شروع ہوا اس میں محقق مسائل جدیدہ حضرت مفتی نظام الدین صاحب رضوی (جامعہ اشرفیہ مبارک پور) نے ڈھیروں سوالات کے جوابات دیے۔ ایک سوال کے جواب میں انہوں نے فرمایا کہ رشوت لینے والا اور دینے والا دونوں جہنمی ہیں۔ عطائے حضور مفتی اعظم امیر سُنّی دعوتِ اسلامی حضرت مولانا محمد شاکر نوری نے ''اچھی صحبت کی برکت'' کے موضوع پر اپنے پیغام میں کہا کہ موجودہ دور میں مسلمانوں کے افکار ونظریات میں جس طرح سے بہت سے معاملات میں تبدیلی آئی ہے ویسے ہی دوست ودشمن کے درمیان تمیز کرنے کی فکر بھی ختم ہو چکی ہے۔ قرآنِ مقدس میں اللہ ربّ العزت اچھے اور برے اور اچھائی اور برائی دونوں کی نشاندہی کرتے ہوئے فرماتا ہے: اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور سچوں کے ساتھ ہو جاؤ''۔ آج کے دور میں چاہے انسان کتنا ہی جھوٹا کیوں نہ ہو، غلط کاریوں کا شکار کیوں نہ ہو اور مذہبی لبادے میں عقیدوں پر شب خون کیوں نہ مار رہا ہو لیکن اگر اس کے پاس دنیا موجود ہے اور مال وزر کا انبار ہے تو انسان اس کی صحبت اور ہم نشینی قبول کر لیتا ہے۔ ایسا نہیں ہونا چاہیے آپ نے مزید فرمایا کہ اچھے دوستوں کی صحبت انسان کو اچھا بنا دیتی ہے اور بُروں کی صحبت دنیا و آخرت برباد کر دیتی ہے۔ مولانا موصوف نے دوران خطاب سنّی دعوتِ اسلامی کا مقصد بتاتے ہوئے کہا کہ سنی دعوت اسلامی درحقیقت ایسا ہی پاکیزہ ماحول بنانا چاہتی ہے

تا کہ ہمارا معاشرہ امن وسکون کا گہوارہ ہوجائے اور ہماری اولاد ہماری نافرمانی نہ کرے۔ ہر بچے اور بچی کی زبان پر حمد الٰہی اور نعت رسول کے ترانے ہوں، سنی دعوت اسلامی چاہتی ہے کہ ہمارا ہر بچہ اعلیٰ عصری علوم کے ساتھ ساتھ دین کا عامل اور مبلغ ہو۔

بعد نماز مغرب مفسر قرآن حضرت علامہ ظہیر الدین خاں قادری رضوی نے ''دعوت وتبلیغ کی اہمیت اور تقاضے'' کے موضوع پر بڑا موٴثر اور پر مغز خطاب فرمایا۔ مفکر اسلام علامہ قمر الزماں اعظمی نے ''اسلام میں غربت کا علاج'' کے موضوع پر خطاب کرتے ہوئے ابتدائے اسلام سے لے کر آج تک مختلف قوموں کے معاشی نظام کا جائزہ لیا اور مختلف مذاہب کے معاشی تصورات پر روشنی ڈالی۔ انہوں نے دنیا کے معاشی نظاموں کا تقابلی جائزہ لیتے ہوئے اسلامی نظام معاش کا تفصیلی جائزہ لیا اور اسلام غربت دور کرنے اور طبقاتیت کے خاتمے کا جو حل پیش کرتا ہے، اس کی تفصیلات بتائیں۔ علامہ نے دلائل کی روشنی میں بتایا کہ آج کے دور میں صرف اسلام ہی ہے جو طبقاتیت کا خاتمہ کرسکتا ہے، غربت کو مٹا سکتا ہے اور غربت وامارت کے فاصلے کو ختم کرسکتا ہے۔

علامہ موصوف نے پیغمبر اسلام کی حدیث کا حوالہ دیتے ہوئے فرمایا کہ قریب ہے کہ غربت کفر بن جائے اور وہ دعا فرمایا کرتے تھے: اے اللہ! میں تجھ سے پناہ مانگتا ہوں غربت اور ذلت سے۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام نے زور دیا ہے کہ مسلم معاشرے میں کوئی غریب نہ رہ جائے۔ اسلام نے پہلے قوم کو محنت پر آمادہ کیا دست کاری اور صنعت کی تعلیم دی ہے زراعت پر اُبھارا ہے اور تجارت کے فوائد ومسائل اور اس کی برکتیں بیان کرکے مسلمانوں کو تجارت پر آمادہ کیا ہے۔ ان سب کے باوجود غربت رہ جائے تو اُمتِ مسلمہ کی اجتماعی ذمے داری قرار دی ہے کہ وہ اپنے غریب بھائیوں کی ہر طرح سے مدد کریں۔ انہوں نے کہا کہ ہمارا دعوی ہے کہ اگر اسلام کے پورے معاشی نظام کو نافذ کیا جائے تو اُمت مسلمہ میں کوئی غریب نہ رہ جائے گا۔ پھر خلفائے اسلام کے معاشی نظام کے نفاذ کی برکتیں صدیوں تک قائم رہیں۔ چنانچہ پندرھویں صدی عیسوی تک یورپ، ایشیا اور افریقہ میں جہاں جہاں مسلم حکومتیں قائم تھیں وہاں غربت ناپید تھی۔ آج دنیا سرمایہ دارانہ اور اشتراکی نظام کا تجربہ کرچکی ہے۔ اب ضرورت ہے کہ اسلامی نظام معاش کو نافذ کیا جائے۔ دوسرے دن کا اجتماع عزیز ملت علامہ الشاہ عبد الحفیظ صاحب قبلہ (سربراہ اعلیٰ جامعہ اشرفیہ) کی دعا پر اختتام پذیر ہوا۔

عالمی سنّی اجتماع کا تیسرا روز

آخری دن اجتماع کا آغاز نماز تہجد کے وقت ہوا تھا اس کے بعد تقریر ونعت کا سلسلہ شروع ہوا اور سامعین کی تربیت واصلاح کے متعلق خطابات ہوئے۔ جامعہ حرا مہاپولی بھیونڈی کے طلبہ نے اپنا پروگرام پیش کیا۔ تقریباً ایک گھنٹے تک چلے اس پروگرام سے سامعین خوب متاثر ہوئے اور ذمہ داران ادارہ کو داد دیے بغیر نہ رہ سکے۔ پھر سنی دعوت اسلامی کے متعدد مبلغین یکے بعد دیگرے تشریف لاتے رہے اور سامعین کی تذکیر وتذکیہ کا سامان کرتے رہے۔ مولانا محمد ارشاد نجمی از ہری نے کہا کہ دنیا چاہے جتنی بھی ترقی کرلے وہ جب تک اسلام کے تابع نہیں رہے گی کبھی امن وسکون نہیں پاسکتی۔ نعت خواں سید محمد صاحب نے نعت اور حضرت علی کی شان میں منقبت پڑھ کر سامعین کو خوب خوب محظوظ کیا۔ سہ ماہی تبلیغ سیرت کلکتہ کے ایڈیٹر مولانا مجاہد حسین حبیبی نے ''گانے باجے کی تباہ کاریاں'' کے موضوع پر خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ گانا باجہ دل میں نفاق پیدا کرتا ہے اور نفاق بہت ساری بیماریوں اور گناہوں کا زینہ ہے۔ آپ نے مزید کہا کہ جب ناچ گانا عام ہوجاتا ہے تو اللہ تعالیٰ کا عذاب آتا ہے آج ہم حالات کا جائزہ لیں تو پتہ چلے گا کہ یہ سب ہمارے ہی کرتوتوں کی وجہ سے ہے۔

مالیگاؤں شاخ کے نگراں محترم سید امین الدین صاحب نے فرمایا کہ آج قوم مسلم کو خاص طور پر نوجوانوں کو شراب وشباب کا عادی بنادیا گیا ہے۔ آج ہم نے اپنی نگاہوں کو آوارہ کرکے اپنی آخرت کو برباد کردیا ہے توبہ بوڑھے بھی کرتے ہیں لیکن نوجوانوں کی توبہ بڑی فضیلت والی ہے جب کوئی نوجوان توبہ کرتا ہے تو آسمانوں میں ستر دنوں تک قندیل روشن رہتی ہے اصل توبہ تو جوانی کی توبہ ہے اس لیے نوجوانوں کو چاہیے کہ وہ ابھی سے توبہ کریں۔ سنی دعوت اسلامی کے مبلغ جناب خالد بھائی رضوی نے قربانی کے فضائل ومسائل پر بڑی پرمغز گفتگو کی۔

نماز ظہر کے بعد دوسرے سیشن کا آغاز بھی تلاوت وترجمہ سے ہوا۔ جناب خالد رضوی صاحب نے اپنی مخصوص آواز سے سامعین کو جھما دیا۔ اس کے بعد ختم بخاری شریف کا روح پرور منظر لوگوں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا۔ ختم بخاری شریف ملک کی عظیم ترین دینی دانش گاہ الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور کے صدر المدرسین خیر الاذکیاء حضرت علامہ محمد احمد مصباحی نے کرائی۔ حضرت موصوف نے ختم بخاری شریف کے دوران کی گئی تقریر میں فرمایا کہ امام بخاری کا علم حدیث میں بہت بڑا مرتبہ ہے، علم حدیث میں ان

کی خدمات عظیم ہیں۔ علامہ محمد احمد مصباحی نے غیر مقلدین کا رد کرتے ہوئے فرمایا کہ جو احادیث بخاری میں نہیں ہیں تو اس کا مطلب یہ نہیں کہ وہ احادیث ہیں ہی نہیں۔ بخاری کے علاوہ بھی بہت ساری احادیث کی کتابیں ہیں جو صحیح ہیں۔ اس لیے جو لوگ ایسا کہتے ہیں وہ حقائق سے انحراف کرتے ہیں۔ اخیر میں انہوں نے طلبہ کو بخاری شریف کی آخری حدیث کا درس دیا اور اس کے متعلق تفصیلی گفتگو کی۔ ختم بخاری شریف کے بعد علامہ محمد احمد مصباحی نے تمام نجمی فارغین کو درس حدیث کی اجازت دی۔ ختم بخاری شریف کے بعد سنی دعوت اسلامی کے زیر اہتمام جاری اداروں جامعہ غوثیہ، دارالعلوم انوار مدینہ ملاڈ، دارالعلوم فیضان بخاری کے فارغ شدہ چھ علما، سولہ حفاظ اور چھ قرا کو علما و مشائخ کے مقدس ہاتھوں دستار فضیلت سے نوازا گیا۔ اس کے بعد مولانا سلمان نجمی ازہری نے اسلام کی حقانیت پر بہت پر معنی خطاب کیا اور لوگوں کو اسلامی تعلیم حاصل کرنے کی ہدایت دی۔ ڈربن ساؤتھ افریقہ سے تشریف لائے مولانا مفتی نسیم اشرف حبیبی نے فرمایا کہ کوئی بھی قوم اس وقت تک کامیاب و کامراں نہیں ہو سکتی جب تک وہ نبی اکرم کے فرمودات کی روشنی میں زندگی نہ گزارے۔

امیر سُنّی دعوت اسلامی حضرت مولانا محمد شاکر نوری صاحب نے ''قوم مسلم کا عروج کیوں کر ممکن ہے'' کے موضوع پر ایک فکر انگیز خطاب کیا۔ مولانا موصوف نے قوم مسلم کو پیغام دیتے ہوئے فرمایا کہ اللہ کسی قوم کی حالت اس وقت تک نہیں بدلتا جب تک وہ خود کو نہ بدلیں۔ جب تک قوم مسلم اللہ کے قوانین پر عمل کرتی رہی اللہ ان پر اپنی نعمتیں نازل فرماتا رہا اور انہیں کامیابیوں سے ہمکنار کرتا رہا اور جب مسلمانوں نے اللہ کی دی ہوئی نعمتوں کی ناقدری شروع کی تو اللہ نے انہیں اس کی سزا دی۔ سامعین کو پیغام دیتے ہوئے آپ نے مزید کہا کہ اپنا احتساب کرنا شروع کر دو حالات خود بخود بدل جائیں گے اور کامرانیاں تمہارے قدم چومیں گی۔ اسلام پسند بننے کے ساتھ اسلام کے پابند بننے کی کوشش کرو، روزانہ اپنے نفس کا احتساب کرو، دوسروں کے عیب چھپاؤ اور مسلک اعلیٰ حضرت یعنی مسلک اہلِ سُنّت و جماعت کی ترویج و اشاعت کے لیے کوشاں رہو۔ اسی میں انشاء اللہ دنیا میں بھی کامیابی ہے اور آخرت کی بھی۔ سنی دعوت اسلامی کے قیام کا مقصد دراصل یہی ہے۔ محقق مسائلِ جدیدہ مفتی نظام الدین رضوی مصباحی نے آج بھی سائلین کے بہت سارے سوالات کے جوابات دیے۔

سب سے اخیر میں مفکر اسلام علامہ قمر الزماں اعظمی نے ''اسلام میں غربت کا علاج'' پر تفصیلی روشنی ڈالتے ہوئے فرمایا: سرمایہ دارانہ نظام کی بنیاد دولت کے ارتکاز پر ہے جس میں سرمایہ صرف چند ہاتھوں کے درمیان گردش کرتا رہتا ہے جب کہ اسلامی نظام معاش کی بنیاد سرمایے کی مساویانہ تقسیم پر مبنی ہے۔ قرآن عظیم کا فرمان ہے جس کا معنی ہے: تاکہ سرمایہ صرف سرمایہ داروں کے درمیان میں گردش نہ کرتا رہے۔ اسلام میں زکوٰۃ کا نظام، وراثت کا نظام، انفاق سبیل اللہ کا نظام ''**وفی اموالھم حق للسائل والمحروم**، ان کے اموال میں سائل اور محروم طبقہ کا حق ہے۔ اس ارشاد کے ذریعہ سرمایہ داروں پر اموال کو خرچ کرنا ضروری قرار دیا جانا اور انفاق فی سبیل اللہ کو عبادت کا مقام دینا یہ سب اس لیے تھا کہ سرمایہ چند ہاتھوں میں گردش کرتا نہ رہ جائے۔ آقائے دو جہاں کا یہ فرمانا کہ جو خود آسودہ ہو کر سوئے اور اس کے پڑوس میں کوئی بھوکا سوئے تو وہ انسان ہم میں سے نہیں ہے۔ اگر دنیا کا ہر آدمی پڑوسیوں کی ضرورت کو پورا کرے تو دنیا میں کوئی بھوکا نہ رہے گا۔ سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام کا یہ فرمانا کہ زمین والوں پر تم رحم کرو آسمانوں کا خالق تم پر رحم کرے گا اور یہ فرمانا کہ اللہ اس وقت تک اپنے بندے کی مدد کرتا رہے گا جب تک بندہ اپنے دوسرے بھائی کی مدد کرتا رہے۔ اس طرح کی سیکڑوں احادیث اور احکامات کے ذریعے اہل ثروت کو اس بات پر آمادہ کیا گیا ہے کہ وہ غربت کے خاتمے کے لیے اپنی تمام توانائیاں صرف کریں۔ پھر یہ فرمانا کہ جس نے کسی زمین کو زندہ کیا (یعنی قابل کاشت بنایا) وہ اس کی ملکیت ہے یا یہ فرمانا کہ اگر تم کو یقین ہے کہ تم مرنے والے ہو مگر تمہارے پاس اتنا وقت ہے کہ تم ایک درخت لگا لو تو درخت لگانے سے پہلے نہ مرو۔ یہ احکامات اس لیے تھے کہ آدمی اپنی سعی مسلسل سے زمین کی پیداوار سے غربت کا خاتمہ کر دے۔

اس میدان میں پروجیکٹر کے ذریعے سنی دعوت اسلامی کے تحت چلنے والے ملک و بیرون ملک تعلیمی، اشاعتی، اصلاحی اور تبلیغی اداروں اور مراکز کی تصاویر دکھائی گئیں اور ان کا تعارف کرایا گیا۔ رات دس بجے یہ سہ روزہ سالانہ اجتماع بحسن و خوبی اختتام پذیر ہو گیا۔ اس اجتماع میں ملک بھر کے درجنوں علما و مشائخ اور خطبائے کرام بشمول حضرت علامہ الشاہ عبدالحفیظ صاحب قبلہ سربراہ اعلیٰ جامعہ اشرفیہ مبارک پور اور مولانا یٰسین اختر مصباحی نے اپنے اپنے پیغامات میں سامعین کو اسلامی تعلیمات پر عمل کرنے کی تلقین کی۔ ذکر و دعا اور صلوٰۃ و سلام پر اجتماع اختتام پذیر ہوا۔ حسب سابق اس سال بھی لاکھوں افراد نے اجتماع میں شرکت کی۔

قارئین کے خیالات وتاثرات

از:ادارہ

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا اندازِ ظرافت

رسول کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے جہاں اندازِ بندگی بجالانے، شعورِ عبادت، تزکیۂ نفس، حقوق اللہ، حقوق العباد، خدمتِ خلق، امر بالمعروف ونھی عن المنکر، صلہ رحمی اور حسنِ اخلاق جیسی تعلیمات سے امتیوں کو آشنا فرمایا وہیں اندازِ ظرافت جیسی خوبی بھی عطا فرمائی۔ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: میں ظرافت کرتا ہوں لیکن سوائے سچ کے کچھ اور نہیں کہتا۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام عمر شریف میں صرف چند باتیں ظرافت کی فرمائی ہیں۔ ایک بار ایک بوڑھی عورت سے آپ نے فرمایا کہ بوڑھی عورت جنت میں نہیں جائے گی۔ وہ عورت یہ سن کر رونے لگی۔ تب آپ نے فرمایا اے عورت! فکر نہ کر اول تجھے جوانی عطا کی جائے گی اس کے بعد بہشت میں داخل کیا جائے گا۔

ایک عورت نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ میرا شوہر آپ کو بلاتا ہے۔ آپ نے فرمایا: کیا تیرا شوہر وہی ہے جس کی آنکھ میں سفیدی ہے؟ وہ بولی نہیں تو میرے شوہر کی آنکھ میں سفیدی نہیں ہے۔ تب آپ نے فرمایا: کیا کوئی ایسا شخص بھی ہے جس کی آنکھ میں سفیدی نہ ہو۔ اسی طرح ایک بار ایک عورت نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ مجھے اونٹ پر بٹھایئے۔ آپ نے فرمایا کہ میں تجھے اونٹ کے بچے پر بٹھاؤں گا۔ اس نے کہا کہ میں اونٹ کے بچے پر نہیں بیٹھوں گی وہ مجھے گرادے گا۔ تب آپ نے فرمایا: کیا ایسا اونٹ بھی ہے جو اونٹ کا بچہ نہ ہو۔

حضرت ابوطلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ایک فرزند ابوعمیر تھے ان کے پاس چڑیا کا ایک بچہ تھا وہ مرگیا اور ابوعمیر رونے لگے۔ ان کو روتا دیکھ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے ابوعمیر! نغیر کو کیا ہوگیا" (نغیر چڑیا کے بچے کو کہتے ہیں)۔ اس طرح کی ظریفانہ باتیں آپ امہات المومنین اور بچوں کے ساتھ فرماتے تھے تا کہ ان کا دل خوش ہو اور آپ کی ہیبت ان کے دلوں سے دور ہوجائے۔ (کیمیائے سعادت: ص/۵۱۳)

خوات بن جبیر کو عورتوں سے بہت رغبت تھی ایک دن وہ مکۂ مکرمہ میں ایک راستے پر عورتوں کے ساتھ کھڑے تھے۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اس طرف تشریف لائے۔ یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ کر بہت شرمندہ ہوئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے دریافت کیا کہ یہاں کس کام سے کھڑے ہو؟ انہوں نے عرض کیا کہ میرے پاس ایک سرکش اونٹ ہے اس اونٹ کے لیے ان عورتوں سے رسی بٹوا رہا ہوں۔ یہ سن کر حضور وہاں سے تشریف لے گئے۔ ایک بار پھر حضرت خوات کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات ہوئی اس کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب کبھی انہیں دیکھتے تو یہی فرماتے۔ ایک دن حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم دراز گوش پر سوار تھے اور آپ دونوں قدمہائے مبارک ایک طرف کیے ہوئے تھے۔ مجھے دیکھ کر فرمانے لگے: اے فلاں! اب اس سرکش اونٹ کا کیا حال ہے؟ تب میں نے عرض کیا کہ قسم ہے اس معبود کی جس نے آپ کو رسالت عطا فرمائی ہے کہ جب سے میں مسلمان ہوا ہوں میرے اونٹ نے سرکشی نہیں کی ہے۔ یہ سن کر آپ نے ان کے لیے دعا فرمائی تو پھر اس کے بعد حضرت خوات کو اللہ نے ہدایت فرمائی اور آپ ثابت قدم مسلمان بن گئے۔ (کیمیائے سعادت: ص/۵۱۴)

حضرت عبدالرحمٰن ابن صخر دوسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بلی بڑی پیاری تھی حتیٰ کہ ایک بار اپنی آستین میں بلی لیے ہوئے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم ابو ہریرہ یعنی بلیوں والے ہو، تب سے آپ اس کنیت سے مشہور ہوگئے۔ (مراۃ المناجیح شرح مشکوٰۃ المصابیح جلد اول ص:۴۶)

ایک دن حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ مسجد کی دیوار کے پاس زمین پر آرام فرما تھے اور آپ کی پشت انور مٹی سے لگ رہی تھی اتنے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں تشریف لائے اور حضرت علی کو زمین

پر لیٹے ہوئے دیکھ کر آپ کو اٹھایا اور آپ کی پشت انور سے مٹی جھاڑتے ہوئے فرمایا: اِجْلِسْ یَااَبَا تُرَابٍ مٹی والے اٹھ بیٹھ۔ حضرت علی کو حضور کے منہ سے ابوتراب کا لفظ کچھ ایسا پسند آیا کہ آپ کو اپنے اصلی نام سے زیادہ یہی نام پسند آنے لگا اور علی کہنے سے آپ اتنا خوش نہ ہوتے جتنا ابوتراب کہنے سے خوش ہوتے۔ (تاریخ الخلفاء، ص:۱۱۸)

حضرت امام غزالی علیہ الرحمہ اپنی شہرۂ آفاق کتاب کیمیائے سعادت میں تحریر فرماتے ہیں۔ کہ کوئی شخص اپنی عورت کے ساتھ اتنی خوش طبعی نہ کرتا جتنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کرتے تھے۔حتیٰ کہ حضرت بی بی عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ساتھ دوڑ کے دیکھیں کہ کون آگے نکل جاتا ہے۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم آگے نکل گئے ۔ دوبارہ دوڑنے کا اتفاق ہوا۔حضرت بی بی عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا آگے نکل گئیں۔ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ پہلے کا بدلہ ہوگیا۔یعنی اب ہم اور تم برابر ہوگئے۔(کیمیائے سعادت ص:۲۶۲)

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ حضرت سودہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا میرے پاس آئیں میں اس وقت دودھ میں کچھ پکارہی تھی، میں ان سے کہا کھاؤ! انہوں نے کہا میں نہیں کھاؤں گی، میں نے کہا اگر تم نہیں کھاؤ گی تو میں یہ تمہارے منہ پر مل دوں گی انہوں نے کہا میں نہیں کھاؤں گی، میں نے ہاتھ بڑھا کر تھوڑا سا وہ جو کچھ پکایا تھا،ان کے منہ پر مل دیا۔حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میرے پاس تشریف فرما تھے آپ نے میرے قریب سے اپنا زانوے مبارک ہٹا لیا تاکہ حضرت سودہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو راستہ مل جائے اور وہ بھی میرے منہ پر اس کو مل دیں چنانچہ انہوں نے میرے منہ پر بھی اس کو مل دیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم دیکھ کر ہنسنے لگے۔

حضرت ضحاک ابن سفیان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نہایت بدصورت تھے وہ ایک دن رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھے تھے، کہنے لگے کہ میری دو بیویاں ہیں، دونوں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے زیادہ خوبصورت ہیں اگر آپ کی مرضی ہو تو میں ایک کو طلاق دے دوں تاکہ آپ اس سے نکاح کرلیں وہ یہ بات بطور خوش طبعی کے کہہ رہے تھے۔حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے جب یہ بات سنی تو فرمایا کہ وہ عورتیں زیادہ خوبصورت ہیں یا تم! حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا یہ سوال سن کر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہنسنے لگے۔ کیوں کہ وہ مرد بہت ہی بدصورت تھا۔(یہ واقعہ حکم حجاب سے پہلے کا ہے۔)(کیمیائے سعادت:ص/۵۱۳،۵۱۴)

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس انداز سے اپنے اہل وعیال و اصحاب سے ظرافت فرماتے تھے۔جس میں نہ کوئی عیب نظر آتا ہے، نہ جھوٹ کا شائبہ، نہ بدتہذیبی، نہ بداخلاقی، نہ کسی کی دل آزاری، نہ کسی کے جذبات کو ٹھیس پہنچانا اور نہ کسی کو نیچا دکھانا۔ان تمام تر فعل قبیح سے ظرافتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم منزہ ومبرا نظر آتی ہے مگر آج بے شمار لوگ دورانِ ظرافت مذکورہ افعالِ بد کو سرانجام دینے سے گریز نہیں کرتے۔جس کی وجہ سے معاشرے میں بدکلامی سے لے کر لڑائی، جھگڑا اور قتل وغارت گری تک معاملات پہنچ جاتے ہیں اور معاشرہ بے چینی واضطراب کا گہوارہ بن جاتا ہے۔اللہ تعالیٰ قومِ مسلم کو صحیح سوچ سمجھ عطا فرمائے۔

از: محمد شہزاد رضا (مبلغ سنی دعوت اسلامی مالیگاؤں)

☆☆☆

حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ان کی تعلیمات

از: شفقت قریشی

آبادی کے لحاظ سے عیسائیت دنیا کا سب سے بڑا مذہب ہے اور اس کے ماننے والے پوری دنیا میں پائے جاتے ہیں۔یہودیت کی طرح یہ بھی مذہب ابراہیمی کی ایک شاخ ہے جو شروع میں یہودیت کا ایک حصہ ہوتی تھی۔بنی اسرائیل کی ہدایت کے لیے اللہ تبارک وتعالیٰ نے یکے بعد دیگرے انبیا مبعوث فرمائے جن کے ساتھ ان کا رویہ نہایت شرمناک تھا بعض انبیا کو قتل کرڈالا،بعض کو اذیتیں پہنچائیں اور بعض کو آروں سے چیر ڈالا۔ان کی گمراہی کا یہ عالم تھا کہ وہ حق کی آواز سننا بھی گوارا نہ کرتے تھے۔اس وقت میں حضرت مسیح علیہ السلام کا ظہور ہوا جنہیں وہ اپنا نجات دہندہ سمجھتے تھے حضرت مسیح علیہ السلام کے دو نام تھے ایک یسوع جسے عربی میں عیسیٰ کہتے ہیں اور جس کے معنی ہیں نجات دہندہ اور دوسرا نام مسیح جو مسح سے مشتق ہے جس کے معنی ہیں کسی چیز پر ہاتھ پھیر کر اس سے برے اثرات دور کرنا۔ناصری آپ کا لقب اور ابن مریم کنیت تھی۔

حضرت مریم علیہا السلام کو ان کے والد نے اللہ کی نذر کیا ہوا تھا

اور وہ ہیکل کی ایک محراب میں قیام پذیر تھیں اور حضرت زکریا علیہ السلام ان کے کفیل تھے۔ وہ جب بھی حضرت مریم کے لیے کھانے پینے کی اشیاان کے پاس لے کر جاتے تو ان کے پاس پہلے سے چیزیں موجود پاتے۔ دریافت کرنے پر حضرت مریم فرماتیں کہ یہ تمام خورد و نوش کی اشیا اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے آئی ہیں۔ حضرت مریم باعظمت مقام کی حامل ایک برگزیدہ خاتون تھیں جن کے زہد، تقویٰ، پاکیزگی اور پرہیزگاری کی گواہی قرآن مجید میں موجود ہے۔ حضرت مریم کو بغیر باپ کے ایک بچے کی ولادت کی خبر فرشتے نے دی تھی تو انہوں نے لوگوں سے خود کو پوشیدہ رکھنے کے لیے گوشہ نشینی اختیار کر لی اور ایک دور مقام پر چلی گئیں۔ گھبرا کر کہنے لگیں: کاش میں بچے کی پیدائش سے پہلے مر جاتی تا کہ لوگوں میں رسوائی نہ ہو۔ حضرت مریم کو اس پریشانی کو دور کرنے کے لیے ارشاد ربانی ہوا کہ کسی سے بات چیت نہ کریں اور کہہ دیں کہ میں نے روزے کی نذر مانی ہے۔ بچے کی ولادت کے بعد جب لوگوں نے سوال کرنے شروع کیے تو آپ نے اشارہ کر کے کہا کہ اس نومولود بچے سے پوچھو۔ جب لوگوں نے کہا کہ یہ نومولود بچہ ان کے سوالوں کے جواب کیسے دے سکتا ہے تو بچے نے معجزانہ طور پر ان کے سوالوں کے جوابات دیتے ہوئے فرمایا کہ جب حضرت مسیح علیہ السلام نبوت پر فائز ہوں تو لوگ گواہی دیں کہ وہ بچپن ہی سے غیر معمولی شخصیت کے مالک تھے اور لوگوں کو ان کے اعلان حق کو قبول کرنے میں کوئی اعتراض نہ ہو سکے۔

ولادت مسیح بائبل کی روشنی میں

حضرت مریم کی منگنی یوسف سے ہو چکی تھی۔ جب فرشتے نے شادی سے پہلے بچہ ہونے کی خبر سنائی تو یوسف نے منگنی توڑنی چاہی مگر فرشتے کے کہنے پر ایسا نہ کیا۔ رومی حاکم نے یہودیوں کو یروشلم بلا کر مردم شماری کرنی چاہی تو حضرت مریم یوسف کے ساتھ روانہ ہوئیں۔ راستے میں بیت اللحم کے قریب ایک اصطبل نما جگہ پر حضرت مسیح علیہ السلام کی ولادت ہوئی۔ جب فارس کے مجوسیوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بادشاہ کی تصدیق کی تو ہیرڈ کو خطرہ محسوس ہوا اور اس نے تمام نومولود بچوں کو قتل کرنے کا حکم دیا چنانچہ یوسف حضرت مریم اور بچے کو لے کر مصر کی طرف ہجرت کر گئے اور ہیرڈ کی موت کے بعد واپس آ کر ناصرہ میں رہائش پذیر ہو گئے۔

عیسائی عقیدے کے مطابق حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش ۲۵ ردسمبر کو ہوئی تھی۔ ان کے بچپن کے حالات زندگی بہت نمایاں نہیں ہیں البتہ اناجیل اور عیسائی راویوں سے بعض حالات دستیاب ہیں۔ حضرت یحییٰ علیہ السلام نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بعثت کی خبر بہت پہلے دے دی تھی۔

توحید کی تعلیم انجیل کی رو سے

حضرت مسیح علیہ السلام نے ہمیشہ توحید کی تعلیم دی اور صرف ایک ہی رب کے سامنے سر جھکانے کی تبلیغ کی تھی۔ انجیل کی اس آیت سے یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہو جاتی ہے کہ عبادت صرف اللہ کی ہونی چاہئے۔ پھر ابلیس یسوع کو اونچے پہاڑ پر لے گیا، دنیا کی سب سلطنتوں کی شان وشوکت اسے دکھائی اور کہا اگر تو جھک کر مجھے سجدہ کرے تو میں یہ سب کچھ تجھے دے دوں گا۔ یسوع نے کہا اے شیطان مردود دور ہو جا کیوں کہ لکھا ہے کہ تو اپنے خدا کو سجدہ کر اور صرف اسی کی عبادت کر۔ (متی: باب4-10-11)

حضرت مسیح علیہ السلام نے گناہوں سے توبہ کرنے کی تلقین کی اور روحانی اور اخلاقی اصلاح کا کیمیا توبہ ہی بتایا۔ اعمال صالحہ، ہر نبی کی طرح اعمال صالحہ کرنے اور احکامات خداوندی کو پورا کرنے کی تلقین فرمائی اور نجات کی کنجی اسی کو قرار دیا۔ گناہ سے نفرت کرتے ہوئے اسے جہنم کا راستہ قرار دیا۔ آپ نے اس اخلاق حسنہ کو اللہ کے یہاں مقبول قرار دیا جو ریا کاری اور دکھاوے سے پاک ہو اور معاشرے کی بنیاد محبت پر رکھی۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام یہودیوں کو گناہ کے کاموں سے روکتے رہے اور راست بازی کی تلقین کرتے رہے مگر یہودیوں نے ان کی ایک نہ مانی اور نصیحت کی بھرپور مخالفت کرتے رہے۔ وہ مخالفت میں اس قدر آگے نکل گئے کہ یہودی علما نے صلیب پر چڑھانے کے لیے فتویٰ جاری کر دیے۔ حضرت مسیح نے ان کی نافرمانیوں کے نتیجے میں ان کی ہلاکت اور بربادی کے بارے میں کئی مرتبہ ان کو تنبیہ کی مگر ان پر کوئی اثر نہ ہوا۔

گزارش: اہل علم وقلم اور ہمارے دیگر قارئین اپنے خیالات، تاثرات اور مختصر مضامین اس کالم کے لیے ضرور روانہ کریں۔ **(ادارہ)**

منظومات

مناقب درشان شید الشہداء امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ

رند حاضر ہیں عطا ہو جام عرفانی حسین

انقلابات زمانہ میں ہیں لاثانی حسین
لکھ رہے ہیں خون سے تاریخِ انسانی حسین

ڈوب جاتی باخدا انصاف کی نبض حیات
گر نہ دیتے کربلا میں جا کے قربانی حسین

گرمیِ صبر ورضا میں یوں جھلس اٹھّی فرات
پیاس سے دم توڑتا ہے دیکھیے پانی حسین

ننھے اصغر گر رگڑتے کربلا میں ایڑیاں
پھوٹ پڑتی چشمۂ کوثر سے طغیانی حسین

معرفت کا میکدہ ہے آپ کا، ساقی بھی آپ
رند حاضر ہیں عطا ہو جام عرفانی حسین

آج بھی ہوتم امیر المؤمنیں کربل کے شاہ
کررہے ہیں کیوں بحث اغیار لایعنی حسین

آیئے خورشیؔد کی آکر مدد فرمایئے
جو ہمارا آپ سے رشتہ ہے ایمانی حسین

از: مولانا خورشید الاسلام مصباحی کچھوچھوی
09919574964

جنگ میں عون ومحمد سے سپاہی چمکے

کون کہتا ہے کہ طاقت میں یزیدی چمکے
عقل والوں نے کہا رَن میں حسینی چمکے

داد دینی پڑی ہر ایک کو اس جذبے کی
کربلا میں جو نئی شان سے دینی چمکے

حضرت قاسم واکبر کی شجاعت دیکھو
ساحلِ آب پہ عباس نمازی چمکے

حضرت حُر کے مقدر پہ ہیں جانیں قربان
رن میں آنا تھا یزیدی پہ ریاحی چمکے

ننھے بچوں نے عجب شان سے پرچم گھیرا
جنگ میں عون ومحمد سے سپاہی چمکے

ایسی تلوار چلی کرب وبلا میں یارو!
جیسی تالاب میں شفاف سی ماہی چمکے

مرتبہ آپ نے پایا ہے حسین ابن علی
تا قیامت ترے احسان کی لاٹھی چمکے

مختصر نذر عقیدت کو کریں آپ قبول
پیارے احسؔن کے قلم کی بھی سیاہی چمکے

از: توفیق احسؔن برکاتی ممبئی

09819433765

پیشکش: عبداللہ سرور اعظمی نجمی

انعامی مقابلہ نمبر (۱۲)

سوالات:

(۱) ایام قربانی کیا کیا ہیں؟ (۲) حضور سرکار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کس سنہ میں حج فرمایا؟ (۳) حضرت آدم وحوا علیہما السلام کا مہر کیا تھا؟ (۴) داعیان دین کی چار ذمے داریاں کیا ہیں؟ (۵) کعبہ شریف کی بنیاد سب سے پہلے کس نے ڈالی؟ (۶) مقام ذوالحُلیفہ کا دوسرا نام کیا ہے؟ (۷) حضرت فاطمہ بنت اسد رشتے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی کیا لگتی تھیں؟ (۸) حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لقب "مُزَکّی" کا کیا معنی ہے؟

انعامی مقابلہ نمبر (۱۰) کے صحیح جوابات:

(۱) علامہ فضل حق خیرآبادی علیہ الرحمہ نے۔ (۲) ۵۰۰/درہم۔ (۳) ایمان "امن" سے مشتق ہے اس کے معنیٰ محفوظ ہونے کے ہیں۔ (۴) ہجرت سے تین سال قبل۔ (۵) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے۔ (۶) قریبی حلقے سے کیا جاتا ہے۔ (۷) مصنف۔

انعامات:

پہلا انعام : فرحین سلطانہ بنت محمد عنایت علی، گلبرگہ، کرناٹک

دوسرا انعام : عارفہ بانو بنت محمد صادق چشتی، قریش نگر، کرلا، ممبئی

تیسرا انعام : انصاری محمد وسیم، آزادنگر بھیونڈی، تھانہ

۷/ صحیح جوابات دینے والوں کے نام:

محمد تنویر رضا برکاتی، برہان پور شریف۔ فرحین سلطانہ بنت محمد عنایت علی گلبرگہ شریف

۶/ صحیح جوابات دینے والوں کے نام:

میمن شباہت فاطمہ، ممبرا۔ سمیہ بیگم بنت عباس علی، گلبرگہ۔ طوبیٰ فاطمہ سجاد احمد، مالیگاؤں۔ انصاری حافظ محمد وسیم، بھیونڈی۔ قادری صبر النساء، ممبرا۔ میمن جویریہ فاطمہ، ممبرا۔ سیدہ نکہت برکاتی، ممبرا۔ عارفہ بانو بنت محمد صادق چشتی، کرلا۔

۵/ صحیح جوابات دینے والوں کے نام:

محمد طاہر علی قادری، ممبرا

کوپن انعامی مقابلہ نمبر (۱۲)

نام:............................. عمر:.............................

مشغلہ:............................. پتہ:.............................

.... پن کوڈ:.................

ہدایات

☆ شرائط کا اطلاق ہوگا۔

☆ جوابات ۲۰/دسمبر سے پہلے پہلے ادارے کو موصول ہوجانے چاہئیں۔